

دارالسلام کی تحقیق کا آئینہ دار

چیف ایڈیٹر

عبدالمالک مجاہد

علمی • اَدبی • تحقیقی • اصلاحی مجلّہ

ماہنامہ

ضیائے حدیث لاہور

جلد:22/ شمارہ 12/ دسمبر 2013ء/ صفر 1435ھ



عبدالقادر ملا کو پھانسی
انصاف کا قتلِ عام......

کرسمس
25 دسمبر
تاریخ، اختلاف اور رسومات



مثالی خواتین
کے مثالی واقعات

تفریح کا شرعی تصور
عہدِ نبوی اور دورِ حاضر کی
تفریحات کا تقابل اور جائزہ

اسلام سے محبت بنگلہ دیشی عوام کے دلوں میں ہے
16 دسمبر / سانحہ مشرقی پاکستان کے حوالے سے ڈاکٹر شمس العالم کا معلومات افزا انٹرویو

ماہنامہ

علمی | ادبی | تحقیقی | اصلاحی مجلہ

ضیائے حدیث لاہور

جلد 22 | شمارہ 12 | دسمبر 2013ء / صفر 1435ھ

ضیائے حدیث جاری کروانے کے لیے

منی آرڈر، آن لائن یا ایزی پیسہ کے ذریعے سالانہ زرتعاون دفتر ارسال کریں اور حسب ذیل نمبرز میں سے کسی ایک پر اطلاع دیں اور اپنا مکمل ایڈریس لکھوائیں۔ رسالہ آپ کے نام جاری ہو جائے گا۔

- منی آرڈر اور خط و کتابت کے لیے:

دفتر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' 36 لوئر مال، لاہور (پاکستان)

- آن لائن کروانے کے لیے:

A/C Title: Monthly Zia-e-hadith
A/C No: 0038805201002063
M.C.B Bank Ltd. Session Court Branch
Lahore. Br Code: 1317

- برائے ایزی پیسہ: موسیٰ علی: 0313 75 79 034
شناختی نمبر: 34101-4002586-9

سرکولیشن منیجر: محمد یوسف سلفی +92 300 70 71 823
اسسٹنٹ سرکولیشن منیجر: موسیٰ کلیم بلتستانی +92 313 75 79 034
Tel:+92 42 372 32 400 | Fax:+92 42 373 54 072
ziaehadith1@yahoo.com

ناشر محمد ادریس فاروقی   مقام اشاعت 399/E اندرون موچی دروازہ، لاہور
پرنٹر انٹرنیشنل دارالسلام پرنٹنگ پریس، 36۔ لوئر مال، لاہور

وسعت داماں

دیگر ممالک میں سالانہ زرتعاون: سعودی عرب 100 ریال، یورپی ممالک 30 یورو

قیمت فی شمارہ 35 روپے | سالانہ زرتعاون: عام ڈاک صرف -/400 روپے، رجسٹرڈ ڈاک -/800 روپے

بنگلہ دیش میں انصاف کا قتل عام

2013ء کے شروع میں میرے دفتر میں جمعیت اہلحدیث بنگلہ دیش (ریاض) کے رہنما تشریف لائے اور مجھے دعوت نامہ پیش کیا کہ فروری 2013ء میں ڈھاکہ میں آل بنگلہ دیش اہلحدیث کانفرنس منعقد ہو رہی ہے۔ بنگلہ دیش میں دارالسلام اور آپ کے بے شمار چاہنے والے موجود ہیں۔ ہماری دلی تمنا ہے کہ آپ اس کانفرنس میں شرکت کے لیے ضرور تشریف لے چلیں۔ میں نے وفد کے ارکان کو چائے پلائی۔ دعوتی امور پر گفتگو ہوتی رہی۔ میں نے دعوت نامہ کو بغور پڑھا اور کہا کہ میری بڑی مدت سے خواہش ہے کہ میں بنگلہ دیش جاؤں اور اپنے بھائیوں سے ملاقات کروں۔ ساتھیوں نے اس پر بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ کہنے لگے کہ ویزے کا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ ایک سے دو دن کے اندر ویزا لگ کر ان شاء اللہ آپ کے ہاتھ میں ہوگا۔ ہمارے سفارت خانہ میں کئی دوست کام کرتے ہیں۔ برادرم محمد شریف ڈھاکہ کے رہنے والے ہیں۔ کوئی بیس سال قبل ریاض میں خالی ہاتھ آئے تھے۔ بعد میں انھوں نے بنگلہ دیش لیبر کی سپلائی کا کام شروع کر دیا۔ ایک دن مجھے بتانے لگے کہ میں دس ہزار سے زائد بنگالیوں کو سعودی عرب لے کر آیا ہوں۔ وہ سعودی عرب میں جمعیت اہلحدیث بنگلہ دیش کے سرپرست اعلیٰ ہیں۔ صرف نام ہی کے نہیں، عملاً بڑے شریف الطبع ہیں۔ ڈھاکہ میں کئی کمپنیوں کے مالک ہیں۔ اس سے قبل کئی سال گزرے، وہ میرا پاسپورٹ لے کر چلے گئے۔ اگلے دن میرے پاسپورٹ پر بنگلہ دیش کا ویزا لگا ہوا تھا۔ مگر بوجوہ میں سفر نہ کر سکا۔ میں فروری میں آل بنگلہ دیش اہلحدیث کانفرنس میں شرکت کے لیے بڑا پر جوش تھا۔ میں نے اپنے بیٹے عبدالغفار کو بھی تیار کر لیا۔ اہلیہ کو معلوم ہوا تو وہ بھی کہنے لگی کہ اگر خواتین کا بھی پروگرام ہو تو میں بھی جانے کے لیے تیار ہوں۔ احباب کہنے لگے کہ ہم خواتین کا بھی اجتماع رکھ لیں گے۔ میں بے چینی سے وقت کا انتظار کرنے لگا۔ ادھر بنگلہ دیش میں ہنگامے تو معمول کا حصہ ہیں۔ فروری کے آغاز میں میں نے اپنے دفتر میں بنگلہ دیشی ملازمین کو بلایا کہ میں ان شاء اللہ آپ کے ملک میں جا رہا ہوں۔ میرے دفتر میں متعدد بنگالی کام کرتے ہیں، ان میں کئی گزشتہ بیس سال سے ہیں۔ بڑے محنتی اور وفادار ہیں۔

انتظار کی گھڑیاں ختم ہونے کو تھیں کہ اچانک ایک دن ہمارے ادارے کے سینئر بنگالی کارکن اسد اللہ میرے دفتر میں آدھمکے۔ ''مجاہد صاحب! میں آپ کو کبھی بنگلہ دیش نہیں جانے دوں گا۔'' انھوں نے دوٹوک کہا۔ ''مگر کیوں بھئی؟'' میں بڑا جذباتی ہو رہا تھا۔ ''صاحب! آپ اس حسینہ واجد کو نہیں جانتے یہ کتنی اسلام دشمن ہے۔ یہ آپ جیسے لوگوں کو کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ آپ کے بنگلہ دیش جانے سے جماعت اہلحدیث کو بہت تقویت ملے گی۔ یقیناً ہمارے بے شمار دوست آپ سے ملنے کے متمنی ہیں۔ مگر یہ حکومت جب سے آئی ہے وہ محبّ اسلام لوگوں کو چن چن کر گرفتار کر رہی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ آپ جیسے ہی ڈھاکہ کی سرزمین پر اُتریں گے، آپ کے پیچھے سپیشل فورسز کے لوگ لگ جائیں گے۔ نہ آپ کو معاف کریں گے نہ ہی آپ کے میزبانوں کو معاف کریں گے۔ اس لیے میں آپ سے درخواست کروں گا کہ جب تک حسینہ واجد کی حکومت ہے، اس وقت تک بنگلہ دیش کبھی نہ جائیں۔ بس اس کا آخری دور شروع ہو چکا ہے۔ مگر یہ عورت اپنے اقتدار کے آخری وقت میں بھی ہر حالت میں اسلام سے محبت کرنے والوں کو ختم کرنا چاہتی ہے۔ اس کے دور میں ہر پاکستانی اور پاکستان سے محبت کرنے والے کو مشکوک نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔'' اسد اللہ

بڑے جذباتی انداز میں ہاتھ لہرا لہرا کر گفتگو کرتا رہا۔ اور میں جو بنگلہ دیش کے لیے رخت سفر باندھے ہوئے تھا، اپنے پروگرام کو ملتوی کرنے پر سوچنے لگ گیا۔ بعد میں جمعیت اہلحدیث ریاض کے ذمہ داران نے معذرت کی کہ ملکی حالات اور حسینہ واجد کی اسلام دشمن سرگرمیاں اجازت نہیں دیتیں۔

12 دسمبر کی صبح کو جب عبدالقادر ملا کو پھانسی دی گئی تو میرے ذہن کو شدید دھچکا لگا۔ اس خبر نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ ہر چند کہ چند دنوں سے ایسی خبریں آ رہی تھیں مگر میں یہ کہہ کر دل کو تسلی دے رہا تھا کہ شاید کوئی نادیدہ قوت آگے بڑھے گی اور اس عدالتی کارروائی سے پھانسی کو روک دے گی۔ شاید بنگلہ دیش کی سپریم کورٹ ان کی اپیل کو قبول کر لے گی۔ اور آخری وقت میں پھانسی کی سزا کو مؤخر کر کے اسے عمر قید میں تبدیل کر دے گی۔ جب ان کی شہادت کی خبر سنی تو میری آنکھوں میں آنسو تھے۔ عبدالقادر ملا پر مقدمہ چلا تو کورٹ میں جرائم کی ایک لمبی لسٹ پیش کی گئی۔ ان پر 1971ء میں بنگلہ دیش کی مخالفت اور پاکستان کی حمایت سمیت قتل اور زیادتی کے علاوہ پاکستانی فوج کی حمایت کے الزامات تھے۔ ایسے ''ملزموں'' کو عمر قید کی سزا سنائی جاتی ہے۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ سپریم کورٹ نے اس سزا کو سزائے موت میں تبدیل کر دیا۔ عام طور پر اس سزا کو پھانسی میں تبدیل کرنا عدالتی روایات کے خلاف ہے۔ مہذب معاشروں کا یہ شیوہ نہیں کہ وہ سیاسی وابستگی کی بنا پر کسی شخص کو پھانسی لگا دیں۔

بد قسمتی سے بنگلہ دیش جو مسلمان اکثریت کا علاقہ ہی نہیں بلکہ اسلام سے شدید محبت کرنے والوں کا ملک ہے مگر اس ملک کی قیادت اور بطور خاص حسینہ واجد بھارت سے شدید محبت کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک عبدالقادر ملا کی شہادت سے سب سے زیادہ خوشی بھارتی قیادت کو ہوگی۔ یہ بھارت کا ایجنڈا ہے جسے پورا کیا گیا ہے۔ یہ انصاف کا قتل ہے۔ ہمارے نزدیک ان اوچھے ہتھکنڈوں سے حسینہ اپنے اقتدار کو مزید طول نہیں دے سکے گی۔ یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ جب پاکستان نے بنگلہ دیش کو منظور کیا تو اس وقت بنگلہ دیش حکومت، بھٹو صاحب اور مجیب الرحمٰن کے درمیان یہ معاہدہ طے پایا تھا کہ جن لوگوں نے پاکستانی فوج کا ساتھ دیا، پاکستان کو ٹوٹنے سے بچانے کے لیے پاک فوج کے شانہ بشانہ لڑے، ان سے کوئی مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔

اس سلسلہ میں ہماری حکومت کی سرد مہری بھی ناقابل فہم ہے کہ اسے بنگلہ دیش کا اندرونی معاملہ کہہ کر ختم کر دیا گیا۔ ہمارے نزدیک ان شاء اللہ عبدالقادر ملا شہید ہیں۔ ان کا قصور اسلام اور پاکستان کے ساتھ محبت ہے۔ بنگلہ دیش میں انصاف کا قتل عام کیا جا رہا ہے۔ پاکستان سے وفائیں کرنے والوں کو بدترین سزائیں دی جا رہی ہیں۔ 91 سالہ پروفیسر غلام اعظم اور ان کے کتنے ہی رفقاء جیلوں میں ہیں۔ سیکڑوں زخمی ہسپتالوں میں ہیں۔ نجانے کتنے ہی پابند سلاسل ہیں۔ عبدالقادر ملا کو بھارتی حکومت کے اشارے پر پھانسی دی گئی ہے۔ ہم اس قتل عام کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہیں۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ بنگلہ دیش حکومت سے شدید ترین الفاظ میں احتجاج کرے۔ دیگر اسلامی ممالک کو بھی اس قتل عام کی مذمت کرنی چاہیے۔

دراصل عبدالقادر ملا کا قتل انصاف کا قتل ہے۔ اہل پاکستان نے اس اقدام کے خلاف بھرپور احتجاج کر کے یہ پیغام دیا کہ کل بھی وہ پاکستان کے دولخت ہونے پر آمادہ نہیں تھے، اب بھی دونوں ممالک کے درمیان نفرت کی دیوار کھڑی نہیں ہونے دیں گے۔ اگرچہ بنگلہ دیشی حکمرانوں نے اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے ایسی انتقامی کارروائیاں روا رکھی ہوئی ہیں مگر ان شاء اللہ ایسے اقدامات ریت کی دیوار ثابت ہوں گے۔ یہ مقدمات، یہ پھانسیاں، یہ شہادتیں اہل حق، اہل ایمان کے لیے کوئی نئی بات نہیں۔ اہل حق شروع دن سے اس قسم کی قربانیاں دیتے چلے آئے ہیں۔

عبدالقادر ملا کی پھانسی کے خلاف ملک گیر احتجاج سمیت سیکڑوں مقامات پر عبدالقادر کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ بعض دینی جماعتوں نے اس کا خوب اہتمام کیا اور جس وقت یہ سطور لکھی جا رہی ہیں اس دوران میں بھی ناصر باغ لاہور میں ایک معروف دینی جماعت کے زیر اہتمام ان کی نمازِ جنازہ ادا ہو رہی ہے۔ اس ردعمل میں یہ پیغام واضح ہے کہ اوچھے ہتھکنڈوں سے مغربی آقاؤں سمیت ہندوؤں کو تو راضی کیا جا سکتا ہے مگر ایسے اقدامات ملک و قوم کے حق میں نہیں اور نہ ایسی کارروائیاں اقتدار کو استحکام یا طول دے سکتی ہیں۔

محبکم: عبدالمالک مجاہد

انسانوں کی تخلیق مٹی سے ہوتی ہے یا پانی سے؟

ایک تحقیق طلب مسئلے کا آسان حل

محمد نعمان فاروقی
شعبۂ تحقیق وتالیف دارالسلام

قرآن مجید میں انسان کے تخلیقی مادے پر متعدد آیات آئی ہیں۔ انھیں ہم دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں: ① مٹی سے انسان کی تخلیق ② پانی (نطفے) سے انسان کی تخلیق۔

پھر قرآن مجید میں مذکورہ دونوں مادوں کے مختلف مراحل کا بھی ذکر ہے۔ مٹی سے تخلیق کے مختلف مراحل کا قرآن مجید نے ان الفاظ سے تذکرہ کیا ہے:

شمار	مرحلہ وار تذکرہ	ترجمہ	حوالہ
①	﴿فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ﴾	''تو ہم نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا ہے۔''	(الحج 5:22)
②	﴿خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ﴾	''اس نے تمھیں پانی ملی مٹی (گارے) سے پیدا کیا ہے۔''	(الانعام 2:6)
③	﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ﴾	''ہم نے انسان کو نمدار مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا۔''	(المؤمنون 12:23)
④	﴿اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ﴾	''ہم نے انھیں چپکدار / لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے۔''	(الصّٰفّٰت 11:37)
⑤	﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾	''البتہ تحقیق ہم نے انسان کو بجنے والی مٹی سے یعنی سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا۔''	(الحجر 26:15)
⑥⑦	﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ﴾	''اس نے انسان کو کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا جیسے ٹھیکری۔''	(الرحمٰن 14:55)

اگر مذکورہ ترتیب کو ملحوظ رکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ مٹی کا مختلف حالتوں میں بدلنے کا تذکرہ ہے۔

① مٹی اپنی اصل حالت میں ''تراب'' ہوتی ہے۔

② اس کے ساتھ پانی مل جائے تو عربی میں اسے ''طین'' (نمدار مٹی) کہتے ہیں۔

③ نمدار مٹی کے جوہر اور خلاصے کو ''سللة من طين'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔



④ نمدار مٹی کا یہ جوہر لیس دار اور چکنا تھا اسی وجہ سے اسے ''طین لازب'' قرار دیا گیا ہے۔

⑤ پھر جب نمدار مٹی کے اس خلاصے کو کچھ وقت گزرا تو یہ سڑ گیا اس لیے ''حماء مسنون'' کہلایا۔

⑥ اس کے بعد خشک ہوا تو کھنکھناتی مٹی کی شکل اختیار کر گیا اور اسے عربی میں ''صلصال'' کہتے ہیں۔

⑦ اور بالآخر یہ ٹھیکری کی شکل اختیار کر گیا، اسے قرآن نے ''فخار'' کہا ہے۔

قرآن مجید میں مٹی کی ان مختلف حالتوں میں سے کسی جگہ کسی کو اور کسی جگہ کسی کو انسان کی تخلیق کا مادہ قرار دیا گیا ہے۔ اس تفصیل سے مستشرقین کا اعتراض بھی رفع ہوا جو کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں اس حوالے سے تضاد ہے۔

اب ہم ان آیات کا مطالعہ کرتے ہیں جن میں انسان کی تخلیق کا مادہ پانی (نطفے) کو قرار دیا گیا ہے:

شمار	مختلف صورتیں	ترجمہ	حوالہ
①	﴿وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ﴾	''اور اللہ نے ہر چلنے والے کو پانی سے پیدا کیا ہے۔''	(النور 45:24)
②	﴿اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ﴾	''کیا ہم نے تمھیں حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟''	(المرسلات 20:77)
③	﴿خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ﴾	''وہ (انسان) اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔''	(الطارق 6:86)
④	﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ﴾	''اس نے انسان کو نطفے سے پیدا کیا۔''	(النحل 4:16)

اس جدول کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ ہر جاندار کو اللہ نے پانی سے بنایا ہے اور وہ پانی ہے بھی حقیر اور وہ نطفے کی صورت میں اچھل کر نکلتا ہے۔

مذکورہ ساری وضاحت کے بعد اب ہم اصل سوال کی طرف آتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ سابقہ جدول کو دیکھیں تو ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے اور مذکورہ جدول کو دیکھیں تو یہ واضح ہوتا ہے کہ انسان کی تخلیق پانی سے ہوئی ہے۔ اس میں تعارض اور تضاد نظر آتا ہے۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ جن آیات میں مٹی سے انسان کی تخلیق کا ذکر ہے، ان سے مراد سیدنا آدم علیہ السلام ہیں باقی انسانوں کو ''پانی'' سے پیدا فرمایا گیا ہے۔ علامہ شنقیطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: چونکہ انسانوں کی پہلی اصل (آدم علیہ السلام) مٹی ہے اس لیے باقی تمام انسانوں کے لیے بھی مٹی سے تخلیق کا ذکر کیا گیا ہے۔ علامہ ابوبکر جابر الجزائری لکھتے ہیں: ''اس نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا ہے۔'' یہ کلمات انسانوں کی اصل (آدم علیہ السلام) کا اعتبار کرتے ہوئے ارشاد فرمائے گئے ہیں۔'' امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یعنی اصلاً اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا کیونکہ اس نے تمھارے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی ہی سے پیدا فرمایا تھا۔''

ائمہ مفسرین کے ان بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا مٹی یا اس کے مختلف مراحل سے ذکر کیا ہے وہاں مراد پہلے انسان، یعنی آدم علیہ السلام ہیں۔ جبکہ اللہ نے حوا علیہا السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے سوا آدم علیہ السلام کی نسل کو نطفے کے مخصوص مراحل سے گزار کر آگے چلایا ہے۔ مفسرین کا یہ قول تاویل نہیں ہے بلکہ قرآنی آیات اس کی تائید کرتی ہیں۔ زیر بحث سوال کو حسب ذیل آیات فیصلہ کن مرحلے میں داخل کرتی ہیں اور وہ آیات یہ ہیں:

- ﴿وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ﴾ ''اور اس نے انسان کی پیدائش کا آغاز نمدار مٹی سے کیا۔ اس کے بعد اس کی نسل کو حقیر پانی کے خلاصے سے بنایا۔'' (السجدة 8,7:32) اس سے واضح ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی اور بعد میں ان کی نسل نطفے سے آگے بڑھی۔
- اسی طرح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور آدم علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق فرمانا کہ: ﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ﴾ ''عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے ہاں ایسے ہے جیسے آدم علیہ السلام کہ اللہ نے انھیں مٹی سے پیدا کیا۔'' (آل عمران 59:3) اگر دوسرے انسان بھی مٹی سے پیدا ہوتے تو مثال میں



محض آدم علیہ السلام کا ذکر بے معنی نظر آتا ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً﴾ ''لوگو! اپنے رب سے ڈر جاؤ جس نے تمھیں ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اس نے اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں ہی سے اس نے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔'' (النسآء 4:1) یعنی ایک جان آدم علیہ السلام کو اس نے پیدا کیا اور حوا علیہا السلام کو انھی سے پیدا کیا اور پھر بہت سے مرد اور عورتیں آدم و حوا علیہما السلام سے پیدا فرمائیں۔ اور مرد و عورت سے انسان کی تخلیق ایک ایسی حقیقت اور مشاہدہ ہے جس کا سب کو اعتراف ہے۔ جنین کے مختلف مراحل پر سائنسی تحقیقات بھی اس کا ساتھ دیتی ہیں اور قرآن وسنت یا سائنسی تحقیقات میں پیدائشی مراحل میں مٹی کے شامل کیے جانے کا ذکر بھی نہیں ہے۔ اب ہم اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ انسانوں کی تخلیق مٹی سے نہیں بلکہ پانی (نطفے) سے ہوتی ہے۔ اور جہاں پر مٹی سے تخلیق کا ذکر آیا ہے وہاں مراد پہلے انسان ابوالبشر آدم علیہ السلام ہیں۔

اس تفصیل پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ اگر محض سیدنا آدم علیہ السلام کے مٹی سے بنائے جانے کا تذکرہ ہوتا اور انسانوں کی تخلیق کے حوالے سے «كُمْ» (تم سب کو) کے بعد مٹی کا ذکر نہ ہوتا جیسے ﴿خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ﴾ ''تمھیں مٹی سے پیدا کیا'' میں ہے تو یہ اشکال نہ پیدا ہوتا۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کا اپنا اسلوب ہے اور اس کی کئی حکمتیں ہیں۔ اس اسلوب کی حکمت یہ محسوس ہوتی ہے کہ انسان فخر وغرور میں مبتلا نہ ہو بلکہ اس کے سامنے یہ بات رہے کہ اس کی اصل مٹی ہے اور اسے مٹی ہی میں سمانا اور مٹی ہی سے دوبارہ اٹھایا جانا ہے۔ ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى﴾ ''اسی (مٹی) سے ہم نے تمھیں پیدا کیا، اسی میں ہم تمھیں لوٹائیں گے اور اسی سے دوسری مرتبہ تمھیں (زندہ کرکے) نکالیں گے'' میں یہی بات سمجھائی گئی ہے۔

بعض مفسرین نے انسانوں کی مٹی سے تخلیق کے بارے میں یہ توجیہ بھی بیان کی ہے کہ اللہ نے انسان کو نطفے ہی سے پیدا کیا ہے اور ''نطفہ'' غذاؤں سے تیار ہوتا ہے اور غذائیں مٹی سے اگتی ہیں، لہٰذا یہ ایسے ہی ہے جیسے مٹی سے پیدا کیا جانا۔

اسی طرح سید قطب رحمہ اللہ نے بھی یہ لکھا ہے کہ ''انسان کی اصل تو مٹی ہے، مادے کے اعتبار سے بھی، رنگ وصورت کے اعتبار سے بھی اور غذا کے لحاظ سے بھی۔ مگر کہاں وہ مٹی اور کہاں یہ انسان؟ کہاں وہ اس کی ترکیب کے اولین ذرات؟...... مٹی کے وہ اولین عناصر جو انسان کی تخلیق کی بنیاد بنے ان کے درمیان اور مادہ منویہ کے زندہ خلیوں کے درمیان بہت لمبی مسافت ہے۔ اس کی تہوں میں بہت بڑا راز پوشیدہ ہے۔ وہ زندگی کا راز ہے۔ اس راز کو انسانیت کروڑوں سال کا سفر کرکے بھی نہیں جان سکی۔''

سید قطب رحمہ اللہ کی اس وضاحت سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ مٹی کے عناصر کسی نہ کسی انداز سے اس نطفے میں موجود ہیں۔ جبکہ سید قطب رحمہ اللہ نے سورۂ سجدہ کی مذکورہ آیت: ﴿ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ﴾ کے تحت دونوں مفاہیم کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کے باوجود کہ تحقیق کے دروازے کھلے ہیں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مذکورہ تینوں فیصلہ کن آیات ہمارے زیر بحث مسئلے کا مناسب حل پیش کرتی ہیں۔ واللہ اعلم

اس بحث سے وہ قضیہ بھی حل ہوا جو عوام میں مشہور ہے

ع پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

کہ انسان کا خمیر وہاں ہی سے لیا جاتا ہے جہاں اس نے دفن ہونا ہوتا ہے۔ یہ تصور بھی بلا دلیل ہے۔ اور جن تفسیری روایات میں اس بات کا ذکر ہے کہ فرشتہ مٹی لے کر پہنچتا ہے اور مٹی اور نطفے کی آمیزش کرتا ہے وہ روایات قابل حجت نہیں ہیں۔



حافظ محمد حق نواز
ریسرچ فیلو دار السلام



تفریح کا شرعی تصور

عہد نبوی اور دورِ حاضر کی تفریحات ...... ایک تقابل

تفریح کا مفہوم

فارغ وقت میں دلچسپ سرگرمی اختیار کرنے کو ''تفریح'' کہتے ہیں۔ خوش طبعی، ہواخوری، سیر اور طبیعت کی فرحت کے لیے بھی تفریح کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ''تفریح'' عربی زبان کا لفظ ہے اگرچہ یہ فارسی اور اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ غم کے متضاد کے طور پر مستعمل ہے۔ الفرح کا ایک مطلب غرور اور تکبر بھی ہے کیونکہ جب خوشی حاصل ہوتی ہے تو کبھی غرور اور تکبر بھی آ جاتا ہے۔(لسان العرب: 541/2) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ﴾ ''اتراؤ مت، یقیناً اللہ غرور کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔''
(القصص 76:28)

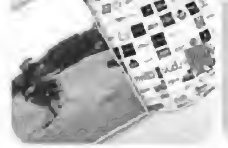
قرآن وسنت کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اہل ایمان کی حقیقی خوشی عبادات کی ادائیگی کے وقت، رضائے الٰہی کے حصول اور آخرت کی کامیابی میں ہے۔

قرآن وسنت میں اس بات کی باقاعدہ ترغیب دی گئی ہے کہ اہل ایمان اپنا فارغ وقت غفلت میں گزارنے کی بجائے یاد الٰہی میں گزاریں۔ اسی میں ان کے لیے حقیقی مسرت پنہاں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ o وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾ ''پس جب تو فارغ ہو تو کھڑا ہو جا (قیام کی حالت میں) اور اپنے رب کی طرف رغبت کر۔''
(الانشراح 8,7:94)

حافظ ابن قیم لکھتے ہیں: نماز کا معاملہ دل کی تفریح، اس کی تقویت، اس کے کھلنے اور لذت و سرور حاصل کرنے میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔(زاد المعاد: 198/4)

اگر اللہ کی قائم کردہ حدود کے اندر رہ کر دلچسپ اور پرلطف مشاغل اختیار کیے جائیں تو شریعت میں اس کی اجازت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: تم زمین میں گھومو پھرو، پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا؟'' (الانعام 11:6)

گویا روئے زمین کی سیاحت ایک تفریحی عمل ہے لیکن اسے عبرت پکڑنے کے بہت بڑے مقصد سے مشروط کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح قصہ گوئی اگرچہ ایک تفریحی عمل ہے لیکن اس کے لیے فکر انگیز ہونا بہت ہی پسندیدہ عمل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ ''(اے نبی!) آپ (یہود کو) واقعات بتا دیں، شاید کہ وہ غور وفکر کریں۔'' (الاعراف 176:7) انھی احکامات کی روشنی میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بعض دفعہ باقاعدہ تفریحی سرگرمیوں کا بندوبست بھی کیا کرتے تھے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ



مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو ان کے آنے کی خوشی میں حبشیوں نے برچھیوں کے ساتھ اپنے کھیل کا مظاہرہ کیا۔(سنن أبي داود: 4923)

الغرض! قرآن وسنت میں تفریح کے عمل کی اجازت ہے بشرطیکہ اس کے نتیجے میں فرد کے اندر اسلام کے مطلوبہ مقاصد کو سمجھنے اور پانے کی اہلیت میں اضافہ یا بہتری ممکن ہو۔مقصد کے لحاظ سے عام تصور تفریح اور اسلامی تفریح میں بہت بڑا فرق ہے۔

تفریح کے مقاصد

تفریحی سرگرمیوں کے بہت سے اہم مقاصد متعین کیے گئے ہیں۔ان سے جسمانی، دماغی اور سماجی بہتری کی توقع کی جاتی ہے اور امید کی جاتی ہے کہ تفریحی سرگرمیوں کے انعقاد سے دورِ جدید میں واقع ذہنی تناؤ Tension میں کمی واقع ہوگی۔George D.Butler کے نزدیک چند مقاصد درج ذیل ہیں:

① انسانی خوشی کا حصول ② دماغی اور جسمانی صحت ③ کردار کی نشوونما ④ جرائم سے تحفظ ⑤ سماجی استحکام ⑥ اخلاقی زندگی کے لیے ⑦ معاشی زندگی کے لیے ⑧ جمہوری زندگی کے لیے ⑨ تحفظ حیات۔

(Bda'Lil'P:2)

علاوہ ازیں تفریح کے اسلامی مقاصد مندرجہ ذیل ہیں:

① اللہ کی رضا کے لیے

مومن کی خوشی رضائے الٰہی میں پنہاں ہوتی ہے۔ زندگی کے دیگر افعال اور امور کی طرح تفریحی سرگرمیاں بھی وہ حکم الٰہی کے مطابق ہی اختیار کرتا ہے۔ ہر اس معاملے یا مشغلے سے اجتناب کرتا ہے جس کی شریعت میں اجازت نہ ہو۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہر معاملے میں اللہ اور اس کے رسول کی پسند اور ناپسند کے مطابق سننے اور عمل پیرا ہونے پر بیعت کرر کھی تھی۔

(صحيح البخاري: 7199)

② جہاد کی تیاری کے لیے

شریعت اسلامیہ میں مختلف قسم کے کھیل اس لیے روا رکھے گئے ہیں تاکہ وہ جہاد کی تیاری میں معاون ثابت ہوسکیں اور اہل اسلام جنگ کے لیے تیار رہ سکیں، مثلاً: شمشیر زنی، گھوڑسواری، تیراندازی، نیزہ بازی، پیدل دوڑ، گھوڑ دوڑ، کشتی لڑنا، کراٹے سیکھنا، باڈی بلڈنگ وغیرہ جیسے کھیل ہر وقت انسان کو جہاد کے لیے تیار رکھتے ہیں اور انسان کو تفریح بھی مہیا کرتے ہیں۔

③ دفاع اسلام

اہل اسلام کو ایسی تمام تفریحی سرگرمیوں میں حصہ لینا چاہیے جو اسلام کی سربلندی اور دفاع کا باعث بن سکتے ہوں۔ صحابہ کرام دفاع اسلام اور تحفظ ناموس رسالت کی خاطر کفار کی ہجو میں اشعار پڑھتے تھے۔ لہٰذا موجودہ دور میں بھی اسی مقصد کو ملحوظ رکھ کر تحریری اور تقریری میدانوں کے علاوہ شعروشاعری میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے۔ یہ تفریح کا باعث بھی ہے اور دفاع اسلام بھی ہے۔

④ خوشگوار ازدواجی زندگی

رسول اللہ ﷺ اپنے اہل وعیال اور ازواج مطہرات کے ساتھ خوش و خرم رہتے تھے۔ قرآن مجید میں بھی بیویوں کو تسکین کا باعث قرار دیا گیا ہے۔ اور ازدواجی تعلقات سے بڑھ کر انسان کے لیے اور کون سی چیز تفریح کا باعث بن سکتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جانوں میں سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے تسکین حاصل کرسکو اور تمھارے درمیان محبت ومودت قائم کردی۔'' (الروم 21:30) اسی ازدواجی تعلق اور تسکین کے پیش نظر ہی آپ ﷺ نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ ''تم نے کنواری لڑکی سے شادی کیوں نہ کی؟ وہ تم سے کھیلتی اور تم اس سے کھیلتے۔'' (صحيح البخاري: 5079) گویا تفریح کے اسلامی مقاصد میں سے خوشگوار ازدواجی تعلقات کا قیام بھی بہت بڑا مقصد ہے۔

تفریح کی ضرورت اور اہمیت

انسانی زندگی میں تفریح کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ انسان خواہ کسی بھی رنگ ونسل اور مذہب سے تعلق رکھتا ہوا اس کی زندگی میں تفریح کسی نہ کسی شکل میں ضرور داخل رہتی ہے۔ یوں اسے آفاقی حیثیت حاصل ہے۔تفریح کے مختلف انداز اور شکلیں ہیں۔ اس کو ایک سے زائد انداز میں اختیار کیا جاسکتا ہے۔ یہ چیز اس کی وسعت، تنوع اور اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص کی دلچسپی کا معاملہ



دوسرے سے مختلف ہے۔ ضروری نہیں کہ جس عمل سے ایک فرد کو تسکین حاصل ہو رہی ہے دوسرے کو بھی حاصل ہو۔

(Brightbill And Meyer'Ibid'P:35)

دورِ جدید میں تو تفریح انسانی زندگی کے روز مرہ معمولات کا لازمی حصہ بن چکی ہے۔ اس تیز ترین مشینی دور میں اور مقابلے کی فضا میں کام کرنے سے انسان تھک کر چور ہو جاتا ہے۔ اس تھکاوٹ کو زائل کرنے کا حل اس نے تفریح میں ڈھونڈا ہے۔ مگر بہت سی تفریحی سرگرمیاں انسان کو دوبارہ کام کے قابل بنانے کے ساتھ ساتھ اس سے اس کا دین یا تو کلی طور پر چھین لیتی ہیں یا دین کے معاملے میں اسے لاپروا بنا دیتی ہیں۔ حالات کے تقاضے کے مطابق تفریح کے اسلامی تصور کو نہایت ہی اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے تا کہ دین پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ ساتھ تفریح سے بھی لطف اندوز ہوا جا سکے۔

عہد نبوی کی تفریحی سرگرمیاں

سالانہ اسلامی تہوار

ہر قوم کے خوشی کے ایام ہوتے ہیں جن میں وہ اچھا لباس زیب تن کرتے ہیں، اچھی خوراک تناول کرتے ہیں اور دلچسپ مشاغل میں مصروف ہو کر اپنی خوشیوں کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں۔ اہل فارس کے ہاں ''نیروز اور مھر جان'' ایام عید تھے۔ دیکھا دیکھی اہل عرب بھی انھیں کھیل تماشے کے دن کے طور پر منانے لگ گئے۔ جب وہ دن آئے اور حسب معمول لوگ خوشی کا اظہار کرنے لگے تو رسول اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیسے دن ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یہ ہمارے دورِ جاہلیت کے ہنسی خوشی کے ایام ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں ان سے بہتر دو دن عطا فرما دیے ہیں وہ یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر ہیں۔'' (سنن النسائي: 1557) ایک مرتبہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور دیکھا کہ دو بچیاں ان کے پاس بیٹھ کر دف بجا کر جنگ بعاث کے واقعات پر مشتمل اشعار پڑھ رہی تھیں۔ نبی ﷺ بھی موجود تھے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ناگواری کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوبکر! بے شک ہر قوم کے لیے ایک عید کا دن مقرر ہوتا ہے اور یہ ہماری عید ہے۔'' (صحیح مسلم: 892) اس حدیث میں آگے یہ بات بھی مذکور ہے کہ ایام عید کے موقع پر مسجد نبوی کے پاس ہی حبشی لوگ برچھیوں کے ساتھ مخصوص انداز میں کھیل تماشے کا باقاعدہ اہتمام بھی کرتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے اس کھیل کو نبی ﷺ کی آڑ لے کر دیکھا کرتی تھیں۔ لہٰذا ایام عید کے موقع پر ایسی پُرمسرت سرگرمیوں کا انعقاد مسنون امر ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مذکورہ بالا حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ یہ شرعاً خوشی کا دن ہے اور اس دن شادی کے دن کی طرح ایسے کام ممنوع نہیں ہیں۔ (فتح الباری: 442/2)

دلچسپ مشاغل

اجتماعی طور پر خاص مواقع کی مناسبت سے نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام اظہار مسرت کے لیے مختلف انداز اپنا کر خوشگوار طرز عمل اپناتے تھے، مثلاً شادی کی تقریبات میں بچیوں کو دف بجانے کی نہ صرف اجازت دیتے بلکہ بعض دفعہ تلقین بھی فرمایا کرتے تھے۔ (صحیح البخاري: 5162,5147) جنگ بدر میں فتح حاصل کرنے پر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فخریہ انداز میں اشعار پڑھے۔

عمدہ کھانے

آپ ﷺ انتہائی سادہ زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ خوراک بھی سادہ ہی ہوتی تھی لیکن چونکہ پاکیزہ، حلال، لذیذ اور خوشگوار غذا کھانا اللہ کی رضا اور چاہت کے مطابق ہے اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کا کبھی کبھی باقاعدہ اہتمام فرما لیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ میٹھی چیزیں اور شہد بڑے شوق سے کھاتے تھے۔ (صحیح البخاري: 5431) آپ ﷺ کا پسندیدہ کھانا ثرید (شوربے میں بھیگی روٹی) اور حیس (کھجور، گھی اور مکھن کا مرکب) تھا۔ (مرقاة: 189/8، و سنن أبي داود: 3783) اسی طرح عجوہ کھجور، حریرہ (آٹے، پانی اور گھی کا مرکب)، نبیذ (چند گھنٹے پانی میں بھیگی کھجوروں کا شربت) بہت ہی پسند تھا۔ آپ ﷺ کھانا خوشگوار ماحول میں تناول فرماتے تھے۔ کھانے کے دوران صحابہ کرام سے خوش طبعی کے لیے ہنسی مزاح بھی کر لیا کرتے



تھے۔ سیدنا صہیب رومی ؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ کھجوریں اور روٹی کھا رہے تھے۔ انھیں بھی کھانے کی دعوت ملی۔ انھوں نے کھانا شروع کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم کھجوریں کھا رہے ہو، حالانکہ تمھاری آنکھ دکھتی ہے۔'' صہیب کہنے لگے: میں دوسری طرف سے چبا رہا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ اس کا جواب سن کر مسکرا دیے۔

(سنن ابن ماجه: 3443)

شعروشاعری

آپ ﷺ کی دیگر تفریحی سرگرمیوں میں بامقصد شاعری سننا بھی تھا۔ مسجع کلام سن کر فرمایا: «اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا» ''بے شک بعض بیانوں میں جادو کا سا اثر ہوتا ہے۔'' (صحيح البخاري: 5146) بطور عبرت قصہ گوئی بھی شریعت محمدی کا خاصہ ہے۔ صحابہ کرام دورِ جاہلیت اور کفار کے عجیب وغریب واقعات بیان کرکے ہنستے، آپ ﷺ بھی مسکرا دیتے تھے۔ (صحيح مسلم: 2322)

ہنسی مزاح

ہنسی اور مزاح کے ذریعے بھی پریشانی دور کی جاسکتی ہے۔ تفریح کا یہ ایک اہم جز ہے۔ آپ ﷺ بھی مزاح کیا کرتے تھے۔ ایک بوڑھی عورت سے آپ ﷺ نے ازراہ مزاح فرمایا: ''جنت میں کوئی بوڑھی عورت داخل نہ ہوگی۔'' پھر اس کی پریشانی دیکھ کر آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ''کیا تم نے قرآن میں آیت نہیں پڑھی: ''بے شک ہم نے انھیں پیدا کیا ہے تو ہم نے انھیں کنواریاں بنایا ہے۔'' (الواقعه 36:56) بہرحال یہ بات ضروری ہے کہ مزاح کی حد تک ہی بات رہنی چاہیے۔ ایک دوسرے کی عزت اچھالنے اور تمسخر سے گریز کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ ایک دوسرے سے خوش طبعی فرمالیا کرتے تھے مگر دل آزاری سے لازماً احتراز کرتے تھے۔ حافظ ابن قیم ؒ لکھتے ہیں: آپ ﷺ مزاح کرتے تو مزاح میں بھی سچ ہی کہتے تھے، توریہ کرتے تو توریہ میں بھی سچ ہی کہتے تھے۔ (زاد المعاد: 157/1) ایک شخص نے آپ ﷺ سے سواری مانگی تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ''میں تجھے اونٹ کے بچے پر سوار کروں گا۔'' وہ سمجھ نہ سکا، کہنے لگا: اونٹ کے بچے کا میں کیا کروں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اونٹ بھی تو کسی دوسرے اونٹ کا بچہ ہی ہوتا ہے۔''

(سنن أبي داود: 4998)

اسی طرح صحابہ کرام بھی مزاح کرلیا کرتے تھے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر رسول اللہ ﷺ ایک چھوٹے سے خیمے میں تشریف فرما تھے۔ عوف بن مالک اشجعی ؓ نے سلام کے بعد اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے اجازت دے دی تو عوف بن مالک کہنے لگے: کیا سارے کا سارا اندر آجاؤں؟ (اشارہ چھوٹے خیمے کی طرف تھا) تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! سارے کے سارے اندر آجاؤ۔''

(سنن أبي داود:5001,5000)

مندرجہ بالا واقعات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کسی کی عزت اچھالنا، کسی کی تذلیل کے لیے اس کا مذاق اڑانا، کسی کے عیوب ونقائص سے پردہ اٹھانا نیز مذاق اڑانے کی باقاعدہ ٹریننگ لے کر الیکٹرانک میڈیا پر کسی ایک شخصیت یا جماعت کو پوری دنیا کے سامنے بے آبرو کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو بہت سے ٹی وی پروگرام، مثلاً: کامیڈی شو، خبرناک، حسب حال اور ہم سب امید سے ہیں وغیرہ میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ میڈیا کی غیر مصدقہ خبروں کو بنیاد بنا کر خوب ٹھٹھہ اڑایا جاتا ہے۔ لوگ اسے تفریح سمجھ کر دیکھتے ہیں اور خوب محظوظ ہوتے ہیں، حالانکہ سرِراہ مزاح پیدا کرنا اور اسے باقاعدہ ایک فن کی شکل دے کر بہت سا وقت اسی میں لگا دینے میں نمایاں فرق ہے۔

باغات کی سیر اور موسم سے لطف اندوز ہونا

رسول اللہ ﷺ باغات کی سیر کو پسند فرماتے تھے۔ کبھی اکیلے اور کبھی احباب کے ساتھ باغ میں چلے جاتے اور وہاں جاکر کھانا یا جو کچھ میسر ہوتا تناول فرماتے تھے۔ ایک دفعہ سیدنا جابر ؓ کے باغ میں آپ ﷺ اپنے احباب کے ساتھ تشریف لے گئے۔ آرام فرمانے کے بعد کھجوریں تناول فرمائیں۔

(صحيح البخاري: 5443)

ٹھنڈی ہوا اور بارش نبی ﷺ کو پسند تھی۔ صحابہ کرام ؓ ایک دفعہ بارش میں نہا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے بھی قمیض اتار کر نہانا شروع کردیا۔ صحابہ کرام نے پوچھا: آپ ایسا



کیوں کررہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس لیے کہ وہ ابھی ابھی اپنے رب کی طرف سے آئی ہے۔'' (صحيح مسلم: 898)

سیاحت

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہت سے اسفار کا تذکرہ ملتا ہے۔ سفر بذات خود ایک دلچسپی کی حامل تفریحی سرگرمی کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے اسفار میں خوشگواریت کا اپنا منفرد انداز ہوتا تھا۔ دوران سفر ہی آپ ﷺ نے صفیہ بنت حیی سے شادی کی اور ولیمہ بھی کیا۔ (صحيح البخاري: 5159) غزوۂ خیبر سے واپسی کا سفر اور دوران سفر شادی کی تقریب پھر دعوت ولیمہ کا انعقاد صحابہ کرام اور خود رسول اللہ ﷺ کے لیے بہترین تفریح ثابت ہوا۔

دوران سفر اونٹوں کو تیز دوڑانے کے لیے ساربان لَے میں گاتے تھے۔ اسے ''حدی خوانی'' کہا جاتا تھا۔ اس گانے کی تاثیر سے انسان تو کجا جانور تک مستی میں آ کر تیز دوڑنے لگتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے حدی خوان صحابہ کرام میں عبداللہ بن رواحہ، انجشہ، عامر بن اکوع اور سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہم شامل تھے۔
(زاد المعاد: 124/1)

اسلام میں سیاحت دو طرح کی ہوتی ہے:

① قابل تعریف سیاحت

قابل تعریف سیاحت وہ ہوتی ہے جس میں شرعی پابندیوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ اس دوران شرعی ممنوعات و محرمات اور قباحتوں سے احتراز کیا جاتا ہے۔ ایسی سیاحت کو مندرجہ ذیل اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

① ضروری سیاحت، مثلاً: سفر حج، رشتے داری کے قیام اور پائیداری کے لیے سفر۔

② عامۃ المسلمین کے مفاد کے لیے صنعت و حرفت کے قیام کے لیے سفر۔

③ مباح سیاحت، مثلاً: حصول مال کے لیے، بغرض نکاح، تھکان یا دل کی گھٹن دور کرنے کے لیے باہر نکلنا، یعنی صبح کی سیر، شام کی سیر، کسی چیز کی تلاش کے لیے نکلنا۔ سیر و تفریح کے لیے نکلنا اور کبھی کبھی نیک نیتی کی بنا پر یہی امور عبادت کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔

② قابل مذمت سیاحت

ایسی سیاحت جو محرمات الٰہی اور منکرات اور غیر شرعی امور میں لتھڑی ہوئی ہو۔ ایسی سیاحت کبھی حرام اور کبھی مکروہ ہوتی ہے۔ منکرات اور فواحش سے بھرے مقامات اور مجالس میں حاضری دینا اور باقاعدہ سفر کر کے وہاں جانا قابل مذمت سیاحت میں شمار ہوتا ہے۔

ایک مسلمان کے لیے سیاحت اگرچہ مباح ہے لیکن بسااوقات بعض بیرونی امور کی وجہ سے اس کے لیے مکروہ یا حرام کے درجے پر پہنچ جاتی ہے، مثلاً: صاحب عیال شخص پر اولاد اور بیوی کے حقوق ادا کرنا فرض ہے اگر وہ انھیں تنہا چھوڑ کر سیر و سیاحت کو اپنا مشغلہ بنائے گا تو فرض کی ادائیگی ضرور متاثر ہوگی۔ ایسی صورت میں اس کے لیے سیاحت مکروہ یا حرام ہوسکتی ہے۔ اگر اس کی سیاحت کے اخراجات کی وجہ سے اہل و عیال کے نفقے میں کمی واقع ہوجائے یا اہل و عیال کی صحت خراب ہونے کا خدشہ ہو تو سیاحت اس کے لیے حرام ہوگی۔ اسی طرح سیاحت سے اگر کوئی جسمانی یا مالی فائدہ بھی نہ ہو بلکہ بچوں کی تعلیم کا حرج ہوتا ہو تو بھی سیاحت اس کے لیے حرام ہوگی۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: «كَفٰى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُضَيِّعَ مَنْ يَقُوتُ» ''آدمی کے گنہگار ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ جن کی کفالت کا وہ ذمہ دار ہے انھیں ضائع کر بیٹھے۔'' (سنن أبي داود: 1692)

عہد نبوی اور دورِ صحابہ کے کھیل

تفریحی سرگرمیوں میں کھیلوں کو بہت ہی اہم مقام حاصل ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے بہت سے کھیلوں کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے، مثلاً: ایک سفر میں انصاری صحابی نے نبی ﷺ کے علاوہ تمام ساتھیوں کو مدینہ منورہ تک دوڑ کے مقابلہ کے لیے للکارا۔ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی اجازت سے اس کے ساتھ مدینہ تک دوڑ لگائی اور غالب آئے۔ (مسند أحمد: 53/4) اسی طرح رسول اکرم ﷺ تیار شدہ اور غیر تیار شدہ گھوڑوں کی الگ الگ دوڑ لگوایا کرتے تھے۔ (صحيح البخاري: 2868) رسول اللہ ﷺ کی عضباء نامی اونٹنی سے دوڑ کے مقابلہ میں کوئی اونٹ آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔ ایک بدو نے مقابلے میں اپنا اونٹ دوڑایا تو وہ بازی لے گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ پر حق ہے کہ وہ دنیا میں کسی چیز کو بلند



نہیں کرتا مگر اسے نیچا بھی دکھاتا ہے۔''
(صحيح البخاري: 2872)
رسول اکرم ﷺ نے وادی بطحاء میں رکانہ بن یزید (معروف پہلوان) کے للکارنے پر اس کے ساتھ باقاعدہ شرط لگا کر کشتی لڑی۔ آپ ﷺ نے متعدد بار اسے پچھاڑا اور ہر بار اس سے ایک بکری وصول کرتے گئے۔ بالآخر پہلوان صاحب کہنے لگے: ''مجھے تو سمجھ نہیں لگی کہ آپ مجھے کیسے پچھاڑ دیتے ہو، حالانکہ مجھے کوئی چت نہیں کرسکا۔'' پھر اس نے اسلام قبول کرلیا اور آپ ﷺ نے اس کی بکریاں واپس کردیں۔ (کتاب المراسیل، حدیث: 285، ص: 128) لہٰذا کھیل کے مقابلے میں جیتنے والے کو حوصلہ افزائی کے طور پر انعام دینا بھی مسنون ہے۔

اسی طرح تیراندازی اور شمشیرزنی عہد نبوی کے مرغوب کھیلوں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ ﷺ اپنی نگرانی میں باقاعدہ مقابلے کرواتے اور دیکھ کر خوب محظوظ ہوتے تھے۔ (صحيح البخاري: 2899، وسنن أبي داود: 4923) اسی طرح شکار بھی اہل عرب کے نزدیک بہترین تفریح کے ساتھ ساتھ حصول معاش کا بھی اہم ذریعہ تھا۔ لہٰذا اس قسم کے کھیل، جن میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو، جسمانی صحت کے لیے مفید اور تفریح کا فائدہ دیتے ہوں ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔ علاوہ ازیں بہت سے کھیل ایسے بھی ہیں جن میں نفع کم اور نقصان کا پہلو غالب ہوتا ہے ان کو شرعاً ممنوع قرار دیا گیا ہے، مثلاً: نردشیر، جوا، کبوتر بازی، جانور لڑانا وغیرہ

بچوں کی تفریحی سرگرمیاں

شریعت محمدی میں خوش رہنا بچوں کا مسلمہ حق ہے۔ اس لیے بچوں کے ساتھ شفقت و محبت کا اظہار کرتے ہوئے انھیں خوش رکھنا چاہیے۔ ایک بدو کے سامنے آپ ﷺ نے ایک بچے کا بوسہ لیا تو وہ حیران ہوکر پوچھنے لگا: کیا آپ بچوں کا بوسہ لیتے ہیں؟ ہم تو ایسا نہیں کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر اللہ نے تیرے دل سے رحمت و شفقت چھین لی ہے تو میں کیا کرسکتا ہوں۔'' (صحيح البخاري: 2317) آپ ﷺ حسن و حسین کو بہت زیادہ پیار کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حسن رضی اللہ عنہ کو کندھے پر اٹھائے دعا کررہے تھے: ''اے اللہ! میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ۔'' (صحيح مسلم: 2422) ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کو اس حالت میں دیکھا تو کہنے لگا: اے بیٹے (حسن!) تو کتنی اچھی سواری پر سوار ہے۔'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سوار بھی بہت اچھا ہے۔'' (جامع الترمذي: 3784) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی کم عمری میں ہی نبی ﷺ سے ہوگئی تھی۔ وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھلونوں والی گڑیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔ (صحيح مسلم: 2440) سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی ابوعمیر اپنے پالتو پرندے ''نغیر'' سے کھیلتے رہتے تھے۔ آپ ﷺ اس سے خوش طبعی کرتے ہوئے فرماتے: «يَا أَبَا عُمَيْرٍ! مَافَعَلَ النُّغَيْرُ» ''اے ابوعمیر! نغیر نے کیا کیا؟'' (صحيح مسلم: 2150) بچوں کے پینگ اور جھولے کا انتظام کرنا بھی انھیں تفریح مہیا کرنے کے مترادف ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی رخصتی کے وقت بھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں۔ (سنن أبي داود: 4933) اس کے علاوہ بچوں کو سواری پر آگے بٹھا کر سیر کرانا اور ان کی دوڑ لگوانا بھی مسنون ہے۔ اس طریقے سے بچوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور وہ اپنے اندر خوشی محسوس کرتے ہیں۔

خواتین کی تفریحی سرگرمیاں

تفریحی سرگرمیوں میں مردوزن کے باہمی تعلقات کو اہم مقام حاصل ہے۔ آپ ﷺ نے میاں بیوی دونوں کو ایک دوسرے کے ازدواجی حقوق پورے کرنے کی تلقین کی ہے۔ اس ضمن میں پرمسرت زندگی کو پسند کیا گیا ہے۔ میاں بیوی دونوں ہی ایک دوسرے سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس دوران وہ ایک قسم کی تفریح محسوس کرتے ہیں۔

زیب و زینت اختیار کرنا عورت کا حق ہے۔ لہٰذا وہ شرعی حدود و قیود کی پابندی کرکے محرموں کے سامنے زیب و زینت اختیار کرکے اپنے لیے تفریح اور خوشیوں کا سامان کرسکتی ہے۔

صحیح بخاری میں یہ بات مذکور ہے کہ گیارہ عورتوں نے باہم مل کر ایک دوسری کو اپنے اپنے خاوند کا قصہ سنایا جس کی تفصیل نبی ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتلائی۔ ان میں سے ابوزرع نامی خاوند سب سے بہتر تھا۔ اس کا

تذکرہ کرکے آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا: ''میں تیرے لیے ایسا خاوند ہوں جیسے ام زرع کے لیے ابوزرع تھا۔'' (صحيح البخاري: 5189) معلوم ہوا کہ عورتیں باہم مل بیٹھ کر باعث عبرت قصے بیان کرسکتی ہیں البتہ چغلی حرام ہے۔ عہد نبوی میں صحابیات باہم مل کر سیر کے لیے گھروں سے باہر جایا کرتی تھیں۔ اگر شہر سے باہر جانا مقصود ہوتا تو اپنے اپنے محرم کے ساتھ سفر پر نکلا کرتی تھیں۔ آپ ﷺ اپنی ازواج میں سے قرعہ ڈال کر کسی ایک کو ساتھ سفر پر لے جاتے تھے۔ (صحيح البخاري: 5211) بہرحال عورتوں کو سیر کرانا، سفر پر ساتھ لے کر نکلنا مسنون عمل ہے۔

غیر اسلامی تفریحی سرگرمیاں

فنون لطیفہ سمجھی جانے والی بہت سی تفریحی سرگرمیاں غیر اسلامی ہیں جن میں عورتوں کا ناچ، عشقیہ گانے، فلم، ڈرامے، مقابلہ ہائے حسن، فیشن شو، جاندار تصاویر کی آرٹ گیلری، ذی روح کی مصوری کے مقابلے، اداکاری اور ممنوعہ سازوں پر مشتمل موسیقی وغیرہ شامل ہیں۔ اہل ایمان کو ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔

علاوہ ازیں ہر وہ کھیل جو اللہ کے ذکر سے غافل کردے یا اس میں اللہ کا ذکر نہ کیا جاتا ہو یا ایک مسلمان کو اس سے کسی قسم کا دینی یا دنیاوی فائدہ حاصل نہ ہو تو وہ کھیل ''لھو'' میں شمار ہوتا ہے۔ مومن کے لیے لھو ولعب سے پرہیز ضروری ہے۔

آپ کا صفحہ

بخدمت گرامی مدیر اعلیٰ ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مزاج گرامی!

مجلّہ ضیائے حدیث کا شمارہ مئی 2013ء موصول ہوا۔ مجلّہ ہر اعتبار سے قابل تحسین ہے۔ مضامین کا انتخاب، اس کے موضوعات، مندرجات اور مجلّہ کی طباعت تو انتہائی کمال کی ہے۔

آپ کے ادارہ نے اسلامی کتب کی اشاعت کا جو عظیم کام شروع کیا ہے، اس کی مثال دنیا بھر میں شاید کم ہی ہو، دنیا میں اس کی تحسین تو ہوتی ہوگی آخرت میں اس کا اجر یقیناً بے بہا ہوگا۔ اللہ آپ کی مساعی کو قبول کرے اور اسے امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ اور احیاء کے ساتھ غلبۂ اسلام کا موجب بنائے۔ آمین!

مجلّہ کی ترسیل پر شکرگزار ہوں۔ اُمید ہے کہ یہ سلسلۂ عطا جاری رہے گا تاکہ لائبریری میں طلباء وطالبات اس سے مستفید ہوتے رہیں۔

جملہ اراکین ادارت کو میرا اسلام اور ہدیۂ تحسین وتبریک پہنچا دیں۔ شکریہ

احترامات کے ساتھ

ڈاکٹر اعجاز فاروق اکرم

پرنسپل گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج سمن آباد فیصل آباد

****

محترم ومکرم جناب ایڈیٹر صاحب ماہنامہ ضیائے حدیث السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ خیریت سے ہوں گے اور دین حنیف کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہوں گے۔

بعد از سلام آپ کا مجلّہ ہر ماہ باقاعدگی سے موصول ہوتا ہے اور بڑی محبت وجستجو سے یہ رسالہ میرے خیال میں پاکستان کے کونے کونے میں پہنچتا ہوگا۔ بہرحال پہلی مرتبہ مجھے بھی شوق ہوا کہ مجلّہ میں کچھ لکھوں۔ اس لیے کم علمی کے باوجود مختصر ایک مضمون آپ کی خدمت میں پیش ہے۔ امید ہے کہ ضرور جگہ دیں گے۔ جزاکم اللہ خیرا اللہ ہم سب کا حامی وناصر ہو، آمین۔ والسلام

اخوکم فی الدین

ضیاء اللہ زاہدی جامعہ شمس العلوم المحمدیہ کینٹ روڈ بدین سندھ



خطاب: الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ
اعداد: حافظ شبیر صدیق، ریسرچ فیلو دار السلام

ماہِ صفر کی بدعقیدگی

خطبہ مسنونہ: ﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا﴾

گناہوں کی مختلف اقسام ہیں۔ اور سب سے خطرناک قسم وہ ہے جس کا تعلق عقیدے کے ساتھ ہے۔ کج شکری اور بدعقیدگی سب سے بڑا گناہ ہے۔ کسی معاشرے میں اگر زنا عام ہوجائے تو اس کے مفاسد ہیں لیکن اگر شرک عام ہوجائے تو اس کے مفاسد اس سے زیادہ ہیں۔ اس لیے عقیدے کی استقامت پر زور دیا گیا ہے۔ اور جنت کے داخلے کو عقیدے کی سلامتی کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے۔ پیارے پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ نے انسانی جسم کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کا ذکر کیا ہے کہ اگر وہ درست ہے تو سب کچھ درست ہے، اگر وہ فاسد ہے تو ہر چیز فاسد ہے۔ «أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ» ''وہ ٹکڑا انسان کا دل ہے۔'' (صحيح البخاري: 52) اور یہ دل عقیدے کا مرکز ہے۔ اخلاص کا مرکز ہے۔ اس کی اصلاح پر ہر چیز کی اصلاح قائم ہے۔ اور اس کے فساد پر ہر چیز کا فساد قائم ہے۔ ایک بدعقیدگی جس کا تعلق اس صفر کے مہینے سے ہے بہت ہی زیادہ مجرمانہ اور گویا اللہ رب العزت کو چیلنج کرنے کے مترادف ہے۔ صفر کے مہینے کو کچھ لوگ منحوس تصور کرتے ہیں۔ صفر کا مہینہ بھی بقیہ مہینوں کی طرح اور اس مہینے کے تمام دن بھی بقیہ دنوں کی طرح اللہ کی مخلوق ہیں۔ اللہ رب العزت کی کسی خلق کو منحوس قرار دینا بدعقیدگی بھی ہے اور خالق اور مالک کو چیلنج کرنا بھی ہے۔ انسان بڑا بدنصیب ہے کہ اپنے نقصانات کو، اپنی بربادیوں کو دنوں کے ساتھ جوڑتا ہے، مہینوں کے ساتھ جوڑتا ہے۔ اپنے اعمال کے ساتھ نہیں۔ جو بگاڑ اور فساد برپا ہوتا ہے اس کا تعلق دن اور مہینوں سے نہیں ہے بلکہ انسانوں کے اعمال سے ہے۔ حدیث قدسی ہے، اللہ پاک فرماتا ہے: «يُؤْذِينِي ابْنُ آدَمَ» ''ابن آدم مجھے بڑی تکلیف دیتا ہے۔'' اس تکلیف کا معنی یہ نہیں ہے کہ اللہ کو نقصان پہنچتا ہے۔ یہ ساری کائنات اگر کفر کی اساس پر قائم ہوجائے اور اللہ رب العزت کی شان میں گستاخیاں شروع کردے، گالیاں شروع کردے تو اس کی شانِ ربوبیت اور الوہیت میں ایک ذرے کی کمی نہیں کرسکتے۔ اور پوری دنیا اگر عابد اور زاہد بن جائے اور ہر وقت اللہ رب العزت کی حمد وثنا میں محو رہے تو اس کی شان میں ایک ذرے کا اضافہ بھی نہیں کرسکتی۔ تو اللہ رب العزت کو ایذا پہنچانا یہ اللہ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔ ابن آدم مجھے تکلیف دیتا ہے۔ «يَسُبُّ الدَّهْرَ» زمانے کو گالیاں دیتا ہے۔ دنوں کو برا بھلا کہتا ہے۔ فلاں دن منحوس ہے، فلاں دن شر ہیں۔ «وَأَنَا الدَّهْرُ» حالانکہ زمانہ میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے زمانہ ہونے کا معنی کیا ہے؟ وہ حدیث میں خود آگے بیان ہورہا ہے۔ «أُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ» ''رات اور دن کو میں پھیرتا ہوں۔'' (صحيح البخاري: 4826) راتوں کا آنا، دنوں کا آنا، مہینوں کا تبدیل ہونا، یہ میرے امر سے ہے۔ زمانے کو گالی دینا میرے امر کو برا بھلا کہنا ہے۔ «أُقَلِّبُ اللَّيْلَ

وَالنَّهَارَ" راتوں اور دنوں کو میں پھیرتا ہوں۔ یہ معنی ہے اللہ تعالیٰ کے ''دھر'' ہونے کا کہ اللہ تعالیٰ ''مقلب الدھر'' ہے۔ دہر کو پھیرتا ہے، چلاتا ہے۔لیل ونہار کا نظام ہے۔تو اس دہر کو برا بھلا کہنا اللہ کو برا بھلا کہنا ہے۔اس کی مماثل ایک اور حدیث ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لَا تَسُبُّوا الرِّيحَ» ''ہوا کو گالی مت دو۔'' «فَإِنَّهَا تَأْتِي بِأَمْرِ اللَّهِ» ''یہ اللہ کے امر سے آتی ہے۔'' ہوا نعمت ہے۔اگر یہ آندھی کی شکل اختیار کرلے تو وہ اللہ کا امر ہے، اس کے کچھ اسباب ہیں۔ ان اسباب پر غور کرو۔ آندھی کو گالی مت دو۔ دریا کا پانی تمھارے لیے نعمت ہے۔تمھاری زراعت کا انحصار ہے اس پر۔ وہی پانی اگر طغیانی بن جائے تو پانی کو برا بھلا مت کہو، وہ تو اللہ کا امر ہے۔ اپنے اعمال پر غور کرو، اپنی حرکتوں پر غور کرو کہ ایسا کیوں ہوگیا؟ یہ طغیانی پیدا کیوں ہوئی؟ اس پر غور کرو۔ فرمایا کہ ہوا کو گالی مت دو۔ «فَإِنَّهَا تَأْتِي بِأَمْرِ اللَّهِ» وہ اللہ کی مخلوق ہے اور اللہ کے امر سے آتی ہے۔ جب آندھی کے آثار دیکھو، بارش کے آثار دیکھو «فَاسْئَلُوا اللَّهَ خَيْرَهَا فَاسْتَعِيذُوا بِهِ بِشَرِّهَا» اللہ سے دعا کرو کہ یااللہ! جو اس میں خیر ہے وہ ہمیں عطا فرمادے اور جو اس میں تیرے امر سے شر ہے اس سے ہمیں محفوظ رکھنا۔تو اللہ کی مخلوق کو گالی دینے کا کوئی جواز نہیں۔صفر کا مہینہ اللہ کی مخلوق ہے، یہ اللہ کے ایام ہیں۔ بقیہ ایام کی طرح اللہ کے دن ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کسی دن کو، کسی یوم کو، کسی مہینے کو نحس قرار دینا بدعقیدگی ہے۔ اللہ رب العزت کو اس کی خلق پر چیلنج ہے۔اور میں نے عرض کیا، جس معاشرے میں بدعقیدگی کا رواج ہو وہ معاشرہ کبھی بھی فلاح کی بنیادوں پر قائم نہیں ہوسکتا۔عمل کا بگاڑ قابلِ معافی ہوسکتا ہے اگر عقیدے کی سلامتی حاصل ہو۔ لیکن عقیدے کا بگاڑ قطعاً قابلِ معافی نہیں ہے۔ اس لیے اس تعلق سے اپنی اصلاح کرنا ضروری ہے۔ اور جو لوگ اس بدعقیدگی میں مبتلا ہیں درحقیقت وہ اللہ رب العزت کے نظام، اس کے امر اور اس کی خلق پر طعنہ زنی کرتے ہیں جو اللہ کے غضب کا موجب ہے۔یہی وجہ ہے کہ یہ معاشرہ کامیابی اور کامرانی کی راہوں پر گامزن نہیں ہورہا بلکہ روز افزوں فتنوں میں اضافہ، عذاب میں اضافہ، مفاسد میں اضافہ، یہ سب اسی لیے ہے کہ ہم نے اپنے عقیدے سے بلکہ بدعقیدگی سے اپنے خالق اور مالک کو ناراض کردیا۔صفر کا مہینہ اللہ کی خلق ہے۔اور ہم کہیں کہ یااللہ تیری یہ خلق منحوس ہے، کتنی بڑی جسارت ہے یہ۔ بھلا وہ قوم اللہ رب العزت کی رحمت اور اس کی محبت کا استحقاق حاصل کرسکتی ہے؟ یہ تو سخت بربادی کا راستہ ہے، تباہی کا راستہ ہے اور رب کے عذاب کو دعوت کے مترادف ہے۔ ابن آدم اس طرح اللہ رب العزت کو ایذا پہنچاتا ہے، یعنی اس کے غضب اور غصے کو اور اس کے عذاب کو دعوت دیتا ہے۔تو اس ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ تکالیف اور سختیوں اور مفاسد کے حصول پر انسان اپنے اعمال پر غور کرے کہ مجھ میں کون سی بدعملی ہے، کون سے گناہ ہیں اور کون سے مفاسد ہیں۔ اور اس سے توبہ اور استغفار کرے۔

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ (الانفال 33:8) اللہ تعالیٰ نے تو دو امانیں اپنے بندوں کو عطا فرمائیں۔ اے محمد ﷺ! جب تک آپ اس قوم میں موجود ہیں اللہ ان کو عذاب نہیں دے گا، حالانکہ اس قوم میں اور اس معاشرے میں ابوجہل اور ابولہب جیسے لعین لوگ ہیں مگر خالق اور مالک عذاب کو روکے ہوئے ہے کیونکہ آپ اس قوم کے اندر موجود ہیں۔کتنی بڑی امان ہے! ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: محمد ﷺ کا وجود کفار کے مابین امان ہے تو مومنین کے مابین کتنا امان ہوگا؟ کفار تو کفر کرنے والے اور بڑا بھیانک کفر کرنے والے اور مسلسل پیغمبر علیہ السلام کے خلاف اور صف آرا تھے۔ دین کے خلاف پلاننگ کرنے والے، اپنے مال خرچ کرنے والے، اپنے اشعار سے محمد ﷺ اور اسلام کی ہجو کرنے والے مگر پھر بھی ذاتِ رسول اور وجود رسول ان کے لیے امان بن گیا۔ اللہ نے امان بنادیا۔لیکن جو قوم اللہ کے پیغمبر سے محبت کرے، اللہ کے پیغمبر پر ایمان لائے، اللہ کے پیغمبر کی اطاعت کرے وہ قوم کتنی امان کی مستحق ہوگی! اور کس قدر اللہ رب العزت کی رحمت کی مستحق ہوگی!

اور فرمایا کہ اللہ رب العزت اس قوم کو بھی عذاب نہیں دے گا جو قوم استغفار کرتی رہے۔ نبی علیہ السلام اس آیت کو پڑھ کر بہت خوش ہوئے کہ میرے جانے کے بعد ایک امان قیامت تک باقی ہے۔ میرے جانے سے جو میرے وجود کی



امان ہے وہ ختم ہوجائے گی لیکن معنوی امان تو باقی ہے نا! نبی علیہ السلام کی اطاعت، محبت، تعظیم، ایمان اگر کسی معاشرے میں موجود ہے، اطاعت کا صحیح حق ہے تو وہ معاشرہ اللہ رب العزت کی رحمت اور اس کی محبت کا مستحق ہے۔ لیکن ایک مستقل امان قیامت تک موجود ہے وہ استغفار ہے۔ جب تک یہ قوم استغفار کرتی رہے گی اللہ تعالیٰ اس قوم کو عذاب نہیں دے گا۔ عذاب انفرادی بھی ہوتا ہے اجتماعی بھی ہوتا ہے۔ اللہ حفاظت فرمائے گا استغفار کی برکت سے۔ یہ مستقل امان ہے۔ استغفار کا معنی کیا ہے؟ اپنے گناہوں کو چیک کرنا، گناہوں کو یاد کرنا اور پھر سچی توبہ کرلینا۔ اللہ رب العزت سے معافی مانگ لینا، صلح کرلینا۔

استغفار کی تکمیل تین چیزوں کے ساتھ ہے: گزرے گناہوں پر شرمندگی ہو، ندامت ہو اور استغفار کے وقت اس گناہ کو چھوڑ چکا ہو اور آئندہ اس گناہ کو چھوڑنے کا عزم کرے۔ یہ تین چیزیں مکمل استغفار ہیں۔ ہاں آئندہ اگر ہوجائے تو پھر استغفار کرلے انھی شرائط پر۔ یہ گناہ ستر بار آپ کرلیں اور بار بار استغفار کرتے رہیں لیکن شرطیں وہی ہوں اور اللہ رب العزت جو دلوں کے حال جانتا ہے وہ آپ کے دل سے استغفار کی صداقت جان لے تو اللہ معاف کردیتا ہے۔ بار بار اگر گناہ کرتا ہے اور بار بار استغفار کرتا ہے تو اللہ بار بار معاف کرتا ہے۔ وہ تو بندے کی توبہ سے خوش ہوتا ہے۔ بلکہ بعض بندوں کے استغفار کی صداقت کو جب اللہ پہچان لیتا ہے، صحیح بخاری کی حدیث کے مطابق اللہ فرماتا ہے: اب تم جو چاہو کرو، میں تمھیں معاف کرچکا ہوں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اس استغفار کی صداقت کی بنیاد پر اسے استقامت کی توفیق دے چکا ہے۔ جب یہ کہا جائے کہ تم جو چاہو کرو میں تمھیں معاف کرچکا ہوں، اس کا معنی یہ کہ اب تم جو کرو گے ٹھیک کرو گے۔ اب تم سے گناہوں کا صدور نہیں ہوگا۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا: «مَاضَرَّ عُثْمَانَ مَاعَمِلَ بَعْدَالْيَوْمِ» ''عثمان آج کے بعد جو چاہے کرتا رہے اس کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔'' (جامع الترمذي:3701) اس کا معنی یہ نہیں کہ کھلی چھوٹ دے دی گئی، اس کا معنی تزکیہ ہے۔ ایک سرٹیفکیٹ دے دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آج کے بعد عثمان کو ہمیشہ صداقت، استقامت اور نیکی کی توفیق دینی ہے۔ اور یہ ایک بڑا تزکیہ ہے۔ یہ تزکیہ بعض لوگوں کو حاصل ہوا۔ اہل بدر کو حاصل ہوا۔ «إِطَّلَعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اعْمَلُوا مَاشِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ» ''اللہ تعالیٰ اہل بدر پر جھانکا اور فرمایا کہ اے اہل بدر! تم جو چاہو کرو، جو چاہو عمل کرو میں تمھیں معاف کرچکا ہوں۔'' (صحيح البخاري: 3007) یہ ایک عظیم الشان تزکیہ ہے جو عظیم الشان عمل پر حاصل ہوتا ہے۔ اور قیامت تک حاصل ہوتا رہے گا۔ جب تک وحی کا دور تھا ہمیں علم ہوتا رہا، اب وحی بند ہوچکی لیکن وہ منہج باقی ہے۔ اس پر ہم چلتے رہیں، قائم رہیں تو یقیناً وہ بشارتیں حاصل ہوتی رہیں گی۔ تو یہ قوم اگر استغفار کرتی رہے، یعنی اپنے گناہوں کو بخشواتی رہے تو اللہ اس قوم کو عذاب نہیں دے گا، مستقل امان موجود ہے۔ اس کا معنی نزول عذاب کا سبب تمھاری معصیتیں ہیں اور دفع عذاب کا سبب استغفار ہے اور استغفار کا پہلا معنی گناہوں کو چھوڑنا ہے۔ تو نحوست اللہ کے ایام میں نہیں ہے، تمھارے اعمال میں ہے۔ اپنے اعمال پر غور کرو۔ اور یہ بڑی بدعقیدگی ہے جس کا اس معاشرے میں رواج ہے۔ لوگ شادیاں نہیں کرتے یا کوئی بڑے ایگریمنٹ نہیں کرتے کہ صفر کا مہینہ گزر جائے۔ یہ بدعقیدگی ہے۔ اور میں نے عرض کیا کہ ظاہری معصیتیں اتنا بڑا بگاڑ نہیں ہیں جتنا بڑا بگاڑ اعتقادی معصیتیں ہیں۔ جو معنوی ہیں، جن کو ہم چھوٹا سمجھتے ہیں۔ شرکِ اصغر زنا سے بڑا گناہ ہے۔ شرک اصغر سب سے چھوٹا شرک چوری سے بڑا گناہ ہے۔ شرک اصغر سود سے بڑا گناہ ہے۔ تو پھر ان معصیتوں سے جو بگاڑ پیدا ہوسکتا ہے اس سے زیادہ بگاڑ شرک اصغر سے ہوگا اور یہاں پر تو شرک اکبر کی صورتیں ہیں۔ قبروں پر مجاورتیں، قبروں پر طواف، قبروں پر سجدے، لوگوں کو مشکل کشا مانا جانا، یہ قبروں پر چادریں چڑھانا، پھول نچھاور کرنا، دیے جلانا۔ یہ سب شرک اکبر کی صورتیں ہیں۔ پھر اس قوم کی اصلاح کیسے ہوسکتی ہے؟ اور الٹا مذاق یہ کہ اللہ کے ایام کو منحوس کہنا۔ اپنے عمل کی طرف توجہ نہیں ہے، ان بداعمالیوں کی طرف، بدعقیدگیوں کی طرف، ان پر غور نہیں ہے اور اپنے نقصانات کو اللہ کے ایام پر ڈال دینا کہ ماہِ صفر نعوذ باللہ منحوس ہے۔ یہ بہت



بڑی جسارت ہے۔ اللہ کو اس کی خلق پر یہ چیلنج ہے۔تم اپنے اعمال پر توجہ کرو، یہی ہر بگاڑ کا محور اور سبب ہے۔ ﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ﴾ اللہ فرما رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں عذاب دے کر کیا کرے گا ﴿إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ﴾ بس دو باتیں ہیں: اگر تم شکرادا کرتے رہو اور ایمان پر قائم رہو ﴿وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيمًا﴾ اور اللہ رب العزت شاکر ہے، یعنی قدردان ہے۔ ﴿عَلِيمًا﴾ اور خوب جاننے والا ہے۔ (النسآء 4:147) کبھی غور کیا اس آیت کریمہ پر؟ اللہ تعالیٰ یہاں کیا پیغام دے رہا ہے اپنے بندوں کو؟ اللہ تعالیٰ تمھیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟ یہ عذاب عام ہے، دنیا کا بھی اور آخرت کا بھی۔تم اپنی اصلاح کرلو، دو چیزوں کو اپنا محور حیات بنالو: ایک شکر اور ایک ایمان۔ ایمان صحتِ عقیدہ کا نام ہے، توحید خالص، سچا ایمان۔ ویسے ایمان کے چھ ارکان ہیں اور ہر رکن کے بارے میں بندے کی سوچ اور اس کا عقیدہ مثبت ہو۔ مثبت کا معنی اللہ کی وحی کے مطابق ہو۔ قرآن و حدیث کے مطابق ہو۔ «وَالْإِيمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ» ایمان اللہ کو ماننے کا نام ہے۔ ایمان اللہ کی کتابوں کو ماننے کا نام ہے۔ ایمان اللہ کے فرشتوں کو ماننے کا نام ہے۔ ایمان اللہ کے رسولوں کو ماننے کا نام ہے۔ ایمان یوم آخرت اور تقدیر پر صحیح ایمان لانے کا نام ہے۔ (صحیح مسلم: 8) ان چھ ارکان کے بارے میں تمھاری سوچ، تمھارا عقیدہ بالکل مثبت ہو۔ وحی الٰہی کے مطابق ہو۔ یہ ایمان کی اساس ہے۔ اگر تمھیں یہ حاصل ہے اور ساتھ ساتھ شکر، شکر کی تکمیل تین چیزوں سے ہوتی ہے۔ ایک عقیدہ، دوسرا ذکر اور تیسرا عمل۔ اس عقیدے کا معنی یہ ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہے ایک ذرے سے لے کر آسمانوں تک، یہ ماننا کہ یہ سب اللہ کی مخلوق ہے۔ اس خلق میں کسی کا حصہ نہیں ہے۔ نہ کوئی اللہ کا معاون ہے نہ کوئی پارٹنر ہے نہ کوئی شریک ہے۔ اللہ اکیلا ہی سب کا خالق ہے اور مالک ہے۔ اس اکیلے کا تصرف اس پوری کائنات پر قائم ہے۔ یہ عقیدہ ہے۔ معنی اللہ رب العزت کی نعمتوں کو اللہ کی طرف منسوب کردینا۔ کسی ایک نعمت کو غیراللہ کی طرف اگر منسوب کرو گے تو شکر کا معنی فوت ہوجائے گا، شکر ختم ہوجائے گا۔ بلکہ وہ بندہ دولت ایمان سے محروم ہوگا، وادی کفر میں داخل ہوجائے گا۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں واضح حدیث موجود ہے۔ کچھ لوگوں نے بارش کو ستاروں کی طرف منسوب کردیا تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آگاہ کردیا کہ رات کی بارش نے کچھ بندوں کے ایمان تازہ کردیے اور اسی بارش نے کچھ بندوں کو کافر بنادیا۔ «فَأَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ بِالْكَوَاكِبِ وَأَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا فَهُوَ مُؤْمِنٌ بِالْكَوَاكِبِ وَكَافِرٌ بِي» اللہ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے بارش کو دیکھ کر کہا: یہ اللہ کی خلق ہے، اللہ کی دَین ہے، اللہ کی عطا اور اس کا فضل ہے ان کا ایمان نکھر گیا، ان کے ایمان کی سلامتی، ان کے ایمان کی مضبوطی ہم نے جان لی، وہ ایمان پر قائم ہیں۔ اور جن لوگوں نے اس بارش کو غیراللہ کے نام الاٹ کردیا، یہ فلاں کی تاثیر ہے، فلاں کی دَین ہے، فلاں کی خلق ہے، وہ ایک ہی جملے سے کافر بن گئے اور اپنے ایمان سے محروم ہوگئے۔ (صحیح البخاري: 4147) تو شکر کا پہلا جو مقام ہے وہ یہ ہے کہ اعتقادًا اس پوری کائنات کو اللہ کی خلق ماننا۔ دوسرا مقام اپنی زبان سے الحمدللہ کہنا سچے عقیدے کے ساتھ کہ ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ وہ اس دَین میں یکتا اور اکیلا ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ اگر ہم کہیں کہ فلاں بھی کچھ دیتا ہے، فلاں داتا ہے، گنج بخش ہے، فلاں اولاد دیتا ہے، فلاں شفا دیتا ہے تو پھر الحمدللہ کا معنی ختم ہوجائے گا۔ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں یہ ختم ہوجائے گا، پھر کچھ تعریفیں غیراللہ کے نام کی بھی ہوں گی۔ اور یہ مقامِ شکر کے منافی ہے۔ تو زبان سے اس کا اقرار ہو الحمدللہ کے ذریعے پوری معنویت کے ساتھ اور دل میں یہ عقیدہ موجود ہو۔ اور شکر کی تکمیل کی تیسری صورت عمل صالح کے ساتھ۔ شکر کا معنی مکمل ہوگا عمل صالح کے ساتھ۔ اس کی دلیل صحیح بخاری کی حدیث ہے۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی علیہ السلام سے پوچھتی ہیں کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اتنا لمبا راتوں کو قیام کرتے ہیں، ہمیں دیکھ کر ترس آتا ہے۔ امام الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی نو نو پارے ایک رات میں پڑھ جاتے تھے۔ سورہ بقرہ، سورہ آل عمران اور سورہ نسآء آپ نے ایک رکعت میں پڑھی۔ آپ کے قدم سوج جاتے



تھے۔ ہمیں دیکھ کر ترس آتا ہے۔ آپ تو اللہ رب العزت کے عبد غفور ہیں۔ قدم قدم پر بشارتیں ہیں، خالق اور مالک کی محبتیں ہیں، رضا ہے، انعامات ہیں، اس قدر مشقت کیوں؟ رسول اللہ ﷺ نے کیا جواب دیا؟ «أَفَلَا أَكُونَ عَبْدًا شَكُورًا» میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ (صحيح البخاري: 4837) شکر گزار بندہ، یعنی شکر کے مقام کی تکمیل عمل صالح کے ساتھ ہے۔ عمل صالح کے ساتھ۔ اور اللہ پاک بڑا خوش ہوتا ہے۔ ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ (ابراهيم 14: 7) میں پہلے ہی تمھیں اس قدر دے چکا ہوں تم شمار نہیں کر سکتے، لیکن شکر ادا کرو گے تو اور دوں گا۔ یہ مقام شکر ہے جس کی تکمیل ان تین چیزوں کے ساتھ ہے۔ اعتقاد کے ساتھ ہے اور زبان کے ذکر کے ساتھ ہے اور عمل کے ساتھ ہے۔ فرمایا کہ اگر تم صحیح معنی میں مومن بن جاؤ، سچے عقیدے والے، سچے ایمان والے اور حق شکر ادا کرنے والے تو اللہ تمھیں عذاب کیوں دے گا؟ جب بھی عذاب آتا ہے وہ تمھاری کسی حرکت کے نتیجے میں آتا ہے۔ تمھاری کسی حرکت کے نتیجے میں۔ تم اپنے اعمال اور اپنے کردار کو بھول جاتے ہو۔ صحابہ کرام نہیں بھولتے تھے۔ وہ زبان کے ایک ایک لفظ کو یاد رکھتے، اس پر توبہ کرتے تھے۔ امیر عمر رضی اللہ عنہ نے حدیبیہ کے موقع پر غصے میں کچھ الفاظ کہہ دیے کہ یہ معاہدہ جو کیا گیا اس میں ہماری اہانت کے پہلو ہیں۔ ہماری کمزوری کے پہلو ہیں۔ یہ کچھ جملے زبان سے ادا ہوگئے۔ نبی علیہ السلام سے بھی کہے، ابوبکر صدیق سے بھی کہے۔ اور نبی علیہ السلام نے یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ عمر! تم یہ بات نہیں جانتے کہ میں اللہ کا سچا رسول ہوں؟ اس کے بعد ایک لفظ نہیں کہا اور خاموش ہوگئے۔ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ مجھے آخر حیات تک یاد رہا «فَعَمِلْتُ لِذَالِكَ أَعْمَالًا» اس جملے کی بخشش کے لیے میں نے بڑے عمل کیے۔ (ارواء الغليل: 72/1) اس جملے کی توبہ کے لیے کہ یا اللہ مجھے میرا یہ جملہ معاف کر دے، میں نے بڑے عمل کیے، بڑی نیکیاں کیں۔ تو سلف صالحین بھولتے نہیں تھے۔

جنگ بدر کے موقع پر ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک جملہ کہہ دیا۔ اس میں کچھ ماحول کا اثر تھا اور کچھ ان کے غم کا اور افسوس کا۔ ان کے والد بڑے مدبر اور زیرک تھے لیکن ایمان نہیں لائے تھے۔ اور ان کو یقین تھا کہ میرے والد ایمان لے آئیں گے، سمجھ دار ہیں لیکن جنگ بدر میں وہ کفار کے ساتھ قتل ہوگئے۔ ان کو غم تھا باپ کے قتل کا نہیں بلکہ کفر کی موت کا کہ میرے والد کو ایمان نصیب نہیں ہوا۔ اسی دوران نبی علیہ السلام کا اعلان جنگ بدر میں تمام صحابہ تک پہنچایا گیا کہ میرے چچا عباس کفار کے ساتھ آئے ہیں لیکن وہ ایمان لا چکے ہیں، ان کو کوئی قتل نہ کرے۔ ابوحذیفہ اپنی اسی افسوس اور غم کی کیفیت میں تھے۔ یہ الفاظ نکل گئے کہ ہمارے باپ تو قتل ہوں اور آپ کے چچا قتل نہ ہوں؟ نبی علیہ السلام نے یہ الفاظ سن لیے لیکن ان کو اس کیفیت پر محمول کرتے ہوئے آپ خاموش رہے۔ ابوحذیفہ پھر بڑے ملول ہوئے، بڑے رنجیدہ ہوئے، بڑی ملامتیں کیں اپنے آپ کو کہ میں نے یہ کیا کہہ دیا۔ گڑگڑاتے رہے، توبہ کرتے رہے اور پھر یہ کہا کہ یا اللہ! میں سمجھوں گا تو نے میری توبہ قبول کر لی کہ کسی میدان جہاد میں جاؤں اور میرے گلے پر تلوار چل جائے، جب تلوار چل رہی ہوگی تو میں سمجھوں گا میری توبہ قبول ہوگئی، اس کے سوا میں نہیں سمجھوں گا۔ ہر جہاد میں شریک ہوئے اسی نیت اور جذبے کے ساتھ، حتی کہ گلے پر تلوار چل گئی اور شہید ہوگئے۔ یہ صحابہ کرام چھوٹے چھوٹے جملے یاد رکھا کرتے تھے، توبہ کرتے تھے۔ تو اگر تم منہج استغفار کو اپنا لو تو تم پر بھی وہ انعامات آئیں گے، وہ برکتیں آئیں گی جو اللہ عطا فرماتا ہے۔ لیکن جہاں معصیتوں کا رواج ہو اور بدعقیدگی کا دور دورہ ہو واقعتاً اللہ کا عذاب آتا ہے۔ اور یہ بڑی محرومی کی بات ہے کہ تم اس عذاب کو اللہ کے ایام پر ڈال دو، مہینوں پر ڈال دو، اللہ کے دنوں پر ڈال دو اور اپنی بداعمالیوں اور بدعقیدگیوں پر توجہ نہ دو۔ تو فرمایا کہ اللہ رب العزت تمھیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تمھارا ایمان صحیح ہو اور تم شاکر بن جاؤ۔ اللہ قدر دان ہے۔ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيمًا﴾ اللہ قدر دان اور علیم ہے۔ (النسآء 4:147) یہ اللہ کی دو صفات ہیں: قدر دان ہونا اور علیم ہونا۔ دونوں صفات اگر الگ الگ ہوں تو ان میں کمال کا معنی ہے لیکن یہاں دونوں کے جمع ہونے سے تیسرا کمال حاصل ہوتا ہے کہ اللہ شاکر اور علیم ہے۔ ان دو صفات کو یکجا کیوں کیا گیا

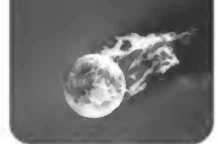


ہے؟ اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال کا قدر دان ہے لیکن ساتھ ساتھ یہ بات یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال کا علیم ہے، جاننے والا ہے۔ تمھارے اعمال کو بڑی باریک بینی سے دیکھا جاتا ہے، بڑی دقتِ نظر کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ صرف اعمال کے ظاہر کو نہیں دیکھتا بلکہ اعمال کے باطن کو بھی دیکھتا ہے۔ ایک بندہ عمل کرتا ہے، نیکی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ یہ عمل کر رہا ہے اتنا کافی نہیں۔ ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ہم عمل کے ظاہر کو جانتے ہیں باطن کو نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ عمل تو ہو رہا ہے۔ نمبر ایک اس عمل کا ظاہر میرے پیغمبر کی سنت کے مطابق ہے یا نہیں۔ جس شخصیت کو میں نے پوری کائنات کے لیے آئیڈیل بنا کر بھیجا اس کے منہج اور سنت کے مطابق ہے یا نہیں۔ پہلی یہ بات دیکھی جاتی ہے، سنت کے مطابق ہو تو اللہ تعالیٰ پھر یہ دیکھتا ہے کہ اس عمل کرنے والے کے دل میں اخلاص ہے یا نہیں، تقویٰ ہے یا نہیں۔ ﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾ اللہ رب العزت کو تمھاری قربانیوں کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے بلکہ دلوں کا اخلاص پہنچتا ہے۔ (الحج 37:22)

﴿وَمَا أُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ﴾ تمھیں حکم دیا گیا ہے کہ تم مخلص ہو جاؤ اور حنفاء ہو جاؤ۔ (البيّنة 5:98)

اخلاص اور حنیفیت یہ دو تمھیں حکم دیے گئے ہیں۔ اخلاص کا معنی اللہ کے لیے خالص ہو جاؤ۔ کوئی ریاکاری نہ ہو، کوئی دکھلاوا نہ ہو، نمود و نمائش نہ ہو۔ اللہ کے لیے مخلص بن جائیں۔ اور حنیفیت کا معنی سب سے کٹ جاؤ۔ اس عقیدہ صافیہ کے ساتھ جڑ جاؤ، اللہ کی طرف انابت ہو، چہرہ اللہ کے دین کی طرف ہو۔ توحید خالص کو سینے پر سجالو۔ تمھارے تجمل کی زینت اللہ کا امر ہو، یعنی اس کے پیغمبر کی سنت ہو۔ یہ حنیفیت ہے، سب سے کٹ جاؤ۔ یہ مبتدع لوگ، مشکوک و مشبوہ لوگ اور یہ مشبوہ تحریکیں، تنظیمیں، جماعتیں جن کے عقیدے فاسد ہیں، نظریات باطل ہیں، جن کا ظاہر بدعت پر قائم ہے، جن کا باطن شرک کی غلاظتوں پر قائم ہے، ان سب سے کٹ جاؤ۔ ان کے ساتھ تعلق کی کوئی صورت نہیں سوائے تعلق دعوت کے۔ اور تعلق دعوت کے قواعد بھی ہمارے خود ساختہ نہیں، وہ قواعد بھی اللہ تعالیٰ نے بنا رکھے ہیں۔

ان قواعد پر قائم رہ کر ان کو دعوت دینی ہے باقی نہیں۔ یہ حنیفیت ہے، اخلاص ہے۔ تو اللہ رب العزت عمل کو دیکھتا ہے، عمل میں اپنے پیارے پیغمبر کی سنت کی مطابقت کو دیکھتا ہے، عمل میں عمل کرنے والے کے دل کو دیکھتا ہے، اخلاص ہے یا نہیں؟ تقویٰ ہے یا نہیں، اللہ کی سچی انابت ہے یا نہیں اور عمل میں پھر اللہ رب العزت یہ دیکھتا ہے کہ عقیدہ کیسا ہے اس کا؟ توحید ہے یا نہیں۔ توحید کے بارے میں بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ عمل کی صحت کی دلیل ہے، یہ عمل تب قبول ہوگا جب توحید ہوگی۔ میرے خیال میں یہ بات غلط ہے۔ توحید صحت عمل کی دلیل نہیں ہے بلکہ توحید ہر انسان کی زندگی کے ایک ایک لمحے کی ضرورت ہے۔ یہ نہیں کہ صرف عمل کے وقت توحید ہو باقی اوقات میں توحید کا لحاظ نہیں کیا جائے گا، نہیں۔ عمل کی ضرورت ہے لیکن توحید ہر وقت، ہر لحظہ، ہر سانس، ہر گھڑی، ہر ساعت اور ہر پل کی ضرورت ہے۔ ایک بندہ اگر کسی پل توحید کے منافی عقیدہ بنا بیٹھا، کوئی عمل کر بیٹھا، اس کا عمل چاہے لاکھوں کی تعداد میں ہو اور سنت کے مطابق ہو، اخلاص کی اساس پر ہو، زمین سے آسمان تک پہنچ جائے اللہ پاک قبول نہیں کرے گا۔ تو توحید صحت عمل کی دلیل نہیں ہے، دلیل ہے لیکن ساتھ ساتھ یہ کہنا ضروری ہے کہ ہر انسان کی زندگی کے ایک ایک لحظہ، ایک ایک لمحہ، ایک ایک پل، ایک ایک سانس کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر انسان کی زندگی اور انسان کا ہر عمل باطل ہے۔ تو اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ عمل کرنے والا مؤحد ہے یا نہیں، اس کے کسی عقیدے میں، کسی عمل میں شرک تو داخل نہیں ہے، پھر اللہ یہ بھی دیکھتا ہے، عمل کی قبولیت کے کچھ اور بھی محرکات ہیں۔ مثلاً: انسان کا مال۔ انسان کا مال اگر حرام کا ہو تو اس کی عبادتیں قبول نہیں ہوتیں۔ لباس حلال کا ہو ایک درہم کے بقدر اس میں حرام کا ہو تو اس کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں۔ اس کا عمل اللہ کے ہاں قابلِ قبول نہیں ہے۔ تو اللہ پاک یہ بھی دیکھتا ہے کہ اس بندے کا مقصد کیا ہے؟ تجارت سودی تو نہیں ہے۔ اور پوری قوم سود کے پٹے میں جکڑی ہوئی ہے اور قصور ماہ صفر کا ہے۔ اس نحوست کو نہیں دیکھتے جو سود کی شکل



میں اس معاشرے پر چھائی ہوئی ہے۔ جو اللہ کے ساتھ اعلانِ جنگ ہے۔ جب سود کھانے والا میدان محشر میں اللہ کے سامنے آئے گا، اللہ کہے گا: تجھے میں نے جنگ کا چیلنج کیا ہوا تھا، یہ ہتھیار پکڑ اور لڑ لے میرے ساتھ۔ کیا اس کے پلّے میں رہے گا؟ اور یہ قوم کہے کہ ماہ صفر منحوس ہے۔ تمھاری تجارتیں منحوس ہیں، تمھارے عمل منحوس ہیں۔ تمھارے عقیدے منحوس ہیں۔ تمھیں جو ضرر حاصل ہوتا ہے تمھاری بدعقیدگی پر حاصل ہوتا ہے۔ تمھاری بداعمالیوں پر حاصل ہوتا ہے۔

تو اللہ پاک یہ بھی دیکھتا ہے کہ عمل کرنے والا حرام کاروبار تو نہیں کررہا۔ اس کا مقصد حرام پر تو قائم نہیں ہے۔ «الرَّجل يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ وَيَقُولُ: يَارَبِّ! يَارَبِّ! مَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذَالِكَ؟» (صحيح مسلم: 1015) ایک شخص لمبا سفر کرکے جاتا ہے۔ لمبا سفر، سفرِ حج ہے۔ اس سے طویل سفر کوئی نہیں۔ اور دنیا کہاں کہاں سے حج کرنے پہنچتی ہے۔ یہ طویل ترین سفر ہے اور لمبے سفر سے اشارہ سفرحج کی طرف ہے «أَشْعَثَ أَغْبَرَ» اور اس کے پاؤں خاک آلود ہیں اور سراس کا غبار سے بھرا پڑا ہے۔ «يَمُدُّ يَدَيْهِ» اور اپنے ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے ہے۔ یہ کیفیت میدان عرفات میں ہوتی ہے جہاں سرخاک آلود ہوتا ہے اور پاؤں گردوغبار سے بھرے ہوتے ہیں اور عرفہ کو حج کہا گیا ہے۔ «اَلْحَجُّ عَرَفَةُ» حج نام ہی عرفہ کا ہے۔ (جامع الترمذي: 889) عرفہ کے وقوف کو حج کہا گیا ہے۔ کتنا اہم یہ مقام ہے۔ لمبا سفر، عرفہ میں موجود، احرام باندھا ہوا ہے۔ اور پاؤں خاک آلود ہیں اور سرغبار آلود ہے۔ «يَمُدُّيَدَيْهِ» اپنے ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے ہے اور یارب! یارب! یارب! کہہ رہا ہے۔ یااللہ! یااللہ! اے میرے رب! اے میرے پروردگار! دعائیں مانگ رہا ہے اور فرشتے ہر دعا پر کہتے ہیں: تیرا کھانا حرام کا تھا، پینا حرام کا ہے، تیری غذا حرام کی ہے تیری دعا کہاں قبول ہوگی؟ تو یہ سفر سارا اس کا ناکام ہے، نامراد ہے۔ حالانکہ عرفہ کی حاضری بڑی مقدس ہے۔ عرفہ کے میدان میں خالقِ کائنات جس قدر بندوں کے قریب آتا ہے اس کی تحدید مذکور نہیں ہے۔ راتوں کو وہ آسمان اول پر آتا ہے، عرفہ کے میدان میں ''دنو'' کا ذکر ہے، قرب کا۔ یہ قرب کتنا ہے اس کی وضاحت نہیں ہے۔ کتنا وہ قرب ہوگا۔ اللہ فرماتا ہے کہ میرے بندے میرے پاس آئے ہیں۔ یہ مت سمجھو کہ تم عرفہ کے پہاڑوں پر آئے ہو بلکہ تم میرے پاس آئے ہو، میرے مہمان ہو۔ لیکن یہ بندہ وہاں بھی بدنصیب ہے اپنے مقاصد کے حرام ہونے کی بناپر۔ تو اللہ علیم ہے۔ شاکر ہے اور علیم ہے۔ تمھارے عمل کا قدر دان ہے لیکن علیم ہے۔ تمھارے عمل کو دیکھتا ہے، چیک کرتا ہے، پرکھتا ہے توحید کی میزان پر، اتباع سنت کی میزان پر، اخلاص کی میزان پر، رزق کی حلت وحرمت کی میزان پر۔ اور بہت سے امور ہیں۔ نبی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جو شخص کسی کاہن کے پاس جائے، صرف چلاجائے، اس سے کچھ پوچھے یا نہ پوچھے یا سوال کرلے تو اللہ تعالیٰ چالیس دن میں اس کی کوئی نماز قبول نہیں کرے گا۔ (صحيح مسلم: 2230) اور ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص شراب پی لے اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی کوئی نماز قبول نہیں کرے گا۔ (سنن ابن ماجه: 3377) کوئی نیکی قبول نہیں کرے گا۔ تو اللہ بندوں کے ان امور کو بھی جانتا ہے۔ یہ شرابی تو نہیں ہے، یہ کسی کاہن کے پاس تو نہیں گیا، ٹی وی کو سامنے رکھ کر استخارہ کے پروگرام کو دیکھ کر اس کے دل میں کوئی نرم گوشہ تو نہیں آگیا۔ یہ لوگ بھی صحیح ہوسکتے ہیں؟ فرمایا: کسی کاہن کے پاس جاؤ گے اور اس کی تصدیق کربیٹھو گے تو تم کافر بن جاؤ گے۔ تو اللہ یہ سب کچھ دیکھتا ہے، سب کچھ جانتا ہے۔ وہ شاکر ہے لیکن ساتھ ساتھ علیم ہے۔ تمھارے عمل کی قدر کرے گا لیکن ساتھ ساتھ یاد رکھو کہ وہ علیم ہے۔ وہ صرف عمل کے ظاہر کو نہیں دیکھتا کہ سجدوں پر سجدے ہورہے ہیں اور قیام پر قیام ہورہے ہیں بلکہ اس عمل کو دیکھے گا، اس عمل پر سنت رسول کی اتباع کو دیکھے گا، اس کی تجارت کو دیکھے گا اور اس کے روز مرہ کے معمولات کو دیکھے گا۔ اگر سارے امور شرعی میزان کے مطابق ہیں تو پھر وہ شاکر ہے، ایسا شاکر کہ ایک بندے نے راہ چلتے ایک پتھر کو ٹھوکر مار کر ہٹادیا اللہ نے جنت دے دی، ایسا شاکر ہے۔ وہ بڑا قدر دان ہے لیکن تمھارا عمل، تمھاری نیکی ان سارے امور اور ان کی میزان کے مطابق ہو، پوری طرح فٹ

آ جائے تو اللہ شاکر ہے۔ تو اس منہج کی طرف آ جاؤ، اس منہج کی طرف۔ اللہ بڑا قدردان ہے۔ بڑا قدردان ہے۔ جو شخص جنت میں سب سے آخر میں جائے گا، جو پل صراط پر کھڑا نہیں ہو پائے گا۔ اس کے عمل کی طاقت تھی ہی نہیں جو اس کو کھڑا کرسکے۔ اور جس طرح بچے رینگتے ہیں اس طرح رینگتا ہوا پتہ نہیں کتنی مدتِ مدیدا کے بعد وہ اس پل کو عبور کرنے میں کامیاب ہوگا، جنت میں داخل ہوگا۔ اس کی ساری تفصیل احادیث میں موجود ہے۔ یہاں شاہد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر وہ شخص جو سب سے آخر میں پہنچا، پل صراط کو رینگتے ہوئے عبور کرتا رہا، وہ شخص اگر ہمیشہ کے لیے تمام اہل جنت کو اپنا مہمان بنالے تو اس کے خزانے ختم نہیں ہوں گے، ہمیشہ کے لیے تمام اہل جنت میرے مہمان ہیں میرے پاس آجائیں۔ اس کے خزانے اور اللہ کی نعمتیں ختم نہیں ہوں گی۔ (صحیح مسلم: 188) اللہ ایسا شاکر ہے۔ یہ تم اپنے عمل کو، اپنے منہج اور اپنے عقیدے کو اس میزان پر قائم کرو۔ تو نقصان تمہیں اپنی حرکات کی بنا پر پہنچتا ہے اور قصور کس کا؟ ماہ صفر کا۔

اللہ کے بندو! یہ بہت بڑی جسارت ہے۔ ماہ صفر بقیہ ایام کی طرح اللہ کی مخلوق ہے۔ اور اللہ کی کوئی مخلوق نحس پر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں میں شر رکھا ہے، اس شر کو پہنچاتا ہے تم تک۔ اس کے اسباب، اس کی حکمتیں، اس کی متقاضیات ہیں۔ بعض اوقات بندہ بخار زدہ ہوتا ہے، اس کا کوئی بچہ، کوئی رشتے دار فوت ہوجاتا ہے، تجارت میں گھاٹا پڑجاتا ہے، یہ شر نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے اللہ رب العزت تمہیں یہ نقصان دے کر، صبر کی توفیق دے کر تمہیں قیامت کے دن درجات کا علو اور بلندی عطا فرمادے۔ حدیث میں آتا ہے کہ بعض بندے ان کے بڑے اونچے درجات مگر ان کے عمل قاصر ہیں، چھوٹے ہیں تو اللہ تکلیفیں پہنچا کر اور صبر کی توفیق دے کر اس درجے کے مطابق اس کو پہنچا دیتا اور بنا دیتا ہے۔ (سنن أبی داود: 3090) یہاں شر نحوست نہ ہوا باعثِ خیر ہوا۔ اور بعض اوقات مال، خزانے، دولتیں ایسی آزمائش بنتے ہیں کہ بندے کی عاقبت کو برباد کردیتے ہیں۔ اور بعض اوقات ایک انسان معصیتوں کے باوجود مال دار ہوتا ہے، امیر ہوتا ہے۔ اس کو خالقِ کائنات کی نعمت مت سمجھو۔ اللہ تعالیٰ گناہوں کے باوجود، نافرمانیوں کے باوجود، شرک و بدعت کے باوجود اگر کسی بندے کو دولت دیتا ہے، خزانے دیتا ہے، محلات اور بلڈنگیں دیتا ہے، اعلیٰ قسم کی گاڑیاں دیتا ہے اس سے مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اللہ کی طرف سے استدراج ہے۔ استدراج کا معنی ڈھیل۔ ڈھیل ایک عذاب ہے۔ ڈھیل کے بعد اللہ کی پکڑ زیادہ سخت ہوگی، زیادہ قابل مواخذہ اور باعثِ عذاب اور تکلیف دہ ہوگی۔ یہ ایک عذاب ہے۔ تو تم خیر و شر کو کیا سمجھو۔ تمہارا کام اپنے اعمال پر توجہ دینا ہے، اپنے عقیدے پر توجہ دینا ہے، اس کی اصلاح تمہاری اصلاح ہے، تمہارے گھر کی اصلاح ہے اور تمہارے ماحول کی اصلاح ہے۔ یوں اصلاح عام ہوگی۔ لیکن اگر تم اس پر توجہ نہ دو۔ عقیدے فاسد ہوں، عمل میں بگاڑ ہو، سنت کی اتباع نہ ہو، قدم قدم پر بدعات ہوں، ہر مہینے کے ساتھ کوئی نہ کوئی بدعت منسلک ہو۔ تو اللہ کو تم پر کیا رحم آئے گا؟ اللہ تعالیٰ نے بڑی سادگی کے ساتھ تمہیں ایک نمونہ دیا ہے اس سے محبت کے دعوے محض ہیں اتباع نہیں۔ عجیب کھیل ہے یہ۔ اس کی اتباع کرو، اپنے عمل کو اور صرف عمل کو نہیں بلکہ ہر چیز کو: میزان ہے، منہج ہے، سیاست ہے، اخلاق ہے، معیشت ہے، معاشرت ہے، ادب ہے، عقیدہ ہے، اس سب کے سب کو ڈھال لو اللہ کے پیغمبر کی سنت کے ڈھانچے میں۔ بس یہ اصلاح کا پروگرام ہے دنیا و آخرت میں۔ اگر یہ نہیں ہوگا تو بگاڑ ہی بگاڑ ہے، مفاسد ہی مفاسد ہیں۔ اس بگاڑ کو اگر تم اللہ کے زمانوں، اللہ کے دنوں اور اس کے مہینوں پر ڈال دوگے تو بگاڑ مزید بڑھ جائے گا۔ اور اللہ کا عذاب مزید بڑھ جائے گا۔ ظاہری گناہوں سے وہ بگاڑ پیدا نہیں ہوتا جو عقیدے کے فساد سے پیدا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اصلاح کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ رب العزت اعتقاداً وعملاً وقلباً ولساناً ہر طرح سے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی وحی پر قائم رکھے، اپنے پیارے پیغمبر کی سنت، سنت کی محبت، پیغمبر علیہ السلام کی ذات سے محبت، پیغمبر علیہ السلام کی تعظیم، پیغمبر علیہ السلام پر سچا ایمان اور اللہ رب العزت توحید خالص کا محور ہمیں عطا فرمادے۔

وَأَقُولُ قَوْلِي هَذَا وَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِي وَلَكُمْ
وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.



﴿مَالَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا﴾ ''نہیں ہے ان کو اس کے متعلق کوئی علم اور نہ ہی ان کے باپ دادا کو، بڑی ہی خطرے کی بات ہے جو نکلتی ہے ان کے مونہوں سے نہیں وہ کہتے مگر جھوٹ ہی۔''

(الکھف 5:18)

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دنیا میں انسان کسی بھی مذہب، گروہ، فرقہ، قوم یا ملک سے ہو، اسے خوشی چاہیے۔ وہ خوش ہونا، ہنسنا اور مسکرانا چاہتا ہے، وہ تہوار منانا چاہتا ہے۔ مذہب انسان کی اس فطرت سے واقف ہے، لہٰذا وہ اسے تقریبات، عیدوں اور تہواروں کی اجازت دیتا ہے۔ انسانی فطرت میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ جب وہ خوش ہوتا ہے تو اکثر و بیشتر حدود اللہ سے تجاوز کر جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آسمانی مذاہب نے ان تقریبات، عیدوں اور تہواروں کو پاکیزہ رکھنے کی ہمیشہ تاکید کی ہے۔ لیکن حضرت انسان کی خواہش نفس کی تکمیل کے آگے جہاں مقدس الہامی کتب اور صحائف نہ بچ سکے وہاں یہ بے چاری عیدیں اور تہوار کیا چیز ہیں؟

کرسمس (Christmas) دو الفاظ کرائسٹ (Christ) اور ماس (Mass) کا مرکب ہے۔ کرائسٹ (Christ) مسیح (علیہ السلام) کو کہتے ہیں اور ماس (Mass) اجتماع، اکٹھا ہونا ہے، یعنی مسیح کے لیے اکٹھا ہونا، مسیحی اجتماع یا یوم میلاد مسیح علیہ السلام۔ یہ لفظ تقریباً چوتھی صدی کے قریب قریب پایا گیا۔ اس سے پہلے اس لفظ کا استعمال کہیں نہیں ملتا۔ دنیا کے مختلف خطوں میں کرسمس کو مختلف ناموں سے یاد کیا اور منایا جاتا ہے۔ اسے یول ڈے نیٹوئی (پیدائش کا سال) اور نوائل (پیدائشی یا یوم پیدائش) جیسے ناموں سے بھی پکارا جاتا ہے۔ (نوائے وقت 27 دسمبر 2005ء)

بڑا دن بھی کرسمس کا مروجہ نام ہے۔ یہ یوم ولادت مسیح علیہ السلام کے سلسلے میں منایا جاتا ہے کیونکہ مسیحیوں کے لیے یہ ایک اہم اور مقدس دن ہے، اس لیے اسے بڑا دن کہا جاتا ہے۔

نہ صرف مسیح علیہ السلام کی تاریخ پیدائش بلکہ سن پیدائش کے حوالے سے بھی مسیحی علماء میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ عام خیال ہے کہ سن عیسوی مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے مگر قاموس الکتاب اور دیگر مسیحی کتب کی ورق گردانی سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسیح علیہ السلام کی ولادت باسعادت 4 یا 6 ق م میں ہوئی ہے۔ قاموس الکتاب میں 4 ق م دی گئی ہے جبکہ مائیکل ہارٹ ''The Hundred'' میں 6 سال ق م تسلیم کرتا ہے۔ پیدائش کے دن کے حوالے سے بھی شدید اختلاف ہے۔ رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کلیسا اسے 25 دسمبر کو، مشرقی آرتھوڈوکس کلیسا 6 جنوری کو اور ارمنی کلیسا 19 جنوری کو مناتا ہے۔ کرسمس کے تہوار کا 25 دسمبر کو ہونے کا ذکر پہلی مرتبہ شاہِ قسطنطین (جو کہ چوتھی صدی عیسوی میں بت پرستی ترک کر کے عیسائیت میں داخل ہوگیا تھا) کے عہد میں 325 عیسوی میں ہوا۔ یہ بات صحیح طور پر معلوم نہیں کہ اولین کلیسا بڑا دن مناتے بھی تھے یا نہیں۔

یاد رہے کہ مسیح علیہ السلام کی صحیح تاریخ پیدائش کا کسی کو علم نہیں۔ تیسری صدی عیسوی میں اسکندریہ کے کلیمنٹ نے رائے دی تھی کہ اسے 20 مئی کو منایا جائے۔ لیکن 25 دسمبر کو پہلے پہل روم (اٹلی) میں بطور مسیحی مذہبی تہوار مقرر کیا گیا تاکہ اس وقت کے ایک غیر مسیحی تہوار، جشنِ زحل Saturnalia کو (یہ رومیوں کا ایک بڑا تہوار تھا، اس روز رنگ رلیاں خوب



منائی جاتی تھیں) جو سورج کے راس الجدی پر پہنچنے کے موقع پر ہوتا تھا، پسِ پشت ڈال کر اُس کی جگہ مسیح علیہ السلام کی سالگرہ منائی جائے۔

(قاموس الکتاب، ص:147)

اس کے علاوہ کینن فیرر نے بھی اپنی کتاب ''لائف آف کرائسٹ'' میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے یوم ولادت کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ انجیل (لوقا 8:2) سے صرف یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس رات گڈریے بھیڑوں کو لیے ہوئے بیت اللحم کے کھیتوں میں موجود تھے لیکن انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں کرسمس ڈے کے آرٹیکل پر لکھنے والے نے اس پر ایک نہایت عمدہ تنقید کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ دسمبر کا مہینہ تو ریاست یہودیہ (فلسطین) میں سخت بارش کا مہینہ ہے، ان دنوں بھیڑیں یا گڈریے کس طرح کھلے آسمان تلے رہ سکتے ہیں۔

4 صدیوں تک 25 دسمبر تاریخ ولادت مسیح علیہ السلام نہیں سمجھی جاتی تھی۔ 530ء میں سیتھیا کا ڈایونیس اکسیگز نامی ایک راہب، جو ایک منجم (Astrologer) بھی تھا، تاریخ ولادت مسیح علیہ السلام کی تحقیق اور تعین کے لیے مقرر ہوا۔ سو اُس نے حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت 25 دسمبر مقرر کی کیونکہ مسیح علیہ السلام سے پانچ صدیاں قبل 25 دسمبر مقدس تاریخ سمجھی جاتی تھی۔ بہت سے دیوتاؤں کا اس تاریخ پر یا اس سے ایک دو دن بعد پیدا ہونا تسلیم کیا جا چکا تھا، چنانچہ راہب نے آفتاب پرست اقوام میں عیسائیت کو مقبول بنانے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تاریخ ولادت 25 دسمبر مقرر کر دی۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ اس قوم نے ہفتے میں سورج کی عبادت کے لیے ایک دن مختص کیا ہوا تھا اور اس دن کو وہ مقدس سمجھتے تھے جس کو سنڈے Holyday کہا جاتا ہو گا کیونکہ اس دن سورج (Sun) کی عبادت کی جاتی تھی، چنانچہ وہی سن ڈے (Sunday)، Holyday بن گیا جو کہ آج عیسائیوں کے یہاں بھی مقدس اور عبادت کا دن ہے۔ (واللہ اعلم)

قرآن مجید کی سورت مریم پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے: ''پھر دردِ زہ اسے (مریم کو) کھجور کے تنے کی طرف لے آیا۔ وہ کہنے لگی: اے کاش! میں اس سے پہلے مر جاتی اور بھولی بھلائی ہوتی۔ پھر اس (فرشتے) نے اس کے نیچے (کے علاقے) سے آواز دی کہ غم نہ کر، یقیناً تیرے رب نے تیرے نیچے (کے علاقے میں) ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔ اور تو کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا، وہ تجھ پر تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرائے گا۔'' (مریم 19:23-25)

اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ مسیح علیہ السلام کی جائے پیدائش ریاست یہودیہ کے شہر بیت اللحم میں ہوئی۔ اب فلسطین میں موسم گرما کے وسط، یعنی جولائی، اگست میں ہی کھجوریں ہوتی ہیں۔ قرآن مجید کے ذریعے اللہ نے یہ امر واضح کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کھجوریں پکنے کے مہینے، جولائی یا اگست کے کسی دن میں ہوئی تھی نہ کہ 25 دسمبر کو، جو کہ یہودیہ (موجودہ فلسطین) میں سخت سردی اور بارشوں کا مہینہ تصور کیا جاتا تھا۔

جرمن قبائل قدیم زمانہ سے اس موسم کو تعظیم اور تکریم کا موسم سمجھتے تھے۔ سکنڈے نیویا (ناروے، سویڈن، ڈنمارک) کے قدیم باشندوں کا عقیدہ تھا کہ تمام دیوتا 25 دسمبر کو زمین پر اترتے ہیں اور 6 جنوری تک انسانوں کی تقدیر بدلنے کی تدبیر کرتے رہتے ہیں۔ (ذکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تاریخ پیدائش نہ تو انجیل سے ثابت ہے اور نہ ہی کسی اور مستند ذریعہ سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی تین صدیوں تک میلاد مسیح علیہ السلام کو منانا، مشرکانہ اور بت پرستانہ فعل سمجھا جاتا تھا۔ بعدازاں مختلف کلیساؤں کی طرف سے اس خود ساختہ رسم کی روک تھام کے لیے متعدد احکامات بھی جاری کیے گئے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے Collier,s انسائیکلوپیڈیا)

کرسمس ٹری

''کرسمس ٹری'' کا تصور بھی جرمنوں ہی کا پیدا کردہ ہے۔ مسیحی لوگ اپنی پرانی ثقافتی روایات کے مطابق کرسمس کے دن حضرت مریم علیہا السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور جبرائیل علیہ السلام کا کردار مختلف اداکاروں کے ذریعے ایک ڈرامے کی شکل میں پیش کرتے تھے، راقم عاصی اپنے زمانۂ عیسائیت میں خود کئی بار ایسے ٹیبلوز میں مختلف کردار ادا کر چکا ہے۔ اس میں تمام واقعہ دہرایا جاتا تھا جو مریم علیہا السلام کے ساتھ مسیح علیہ السلام کی ولادت کے ضمن میں پیش آیا۔ اس واقعے کے دوران میں درخت کو مریم علیہا السلام کا ساتھی بنا کر پیش کیا جاتا اور دکھایا جاتا کہ وہ اپنی اُداسی اور تنہائی کی یہ ساری مدت اس ایک درخت کے پاس بیٹھ کر گزار دیتی ہے۔ چونکہ یہ درخت بھی اسٹیج پر



سجایا جاتا تھا اور ڈرامے کے اختتام پر لوگ اس درخت کی ٹہنیاں تبرک کے طور پر ساتھ لے جاتے اور اپنے گھروں میں ایسی جگہ لگا دیتے جہاں اُن کی نظریں اُن پر پڑتی رہیں۔ یہ رسم آہستہ آہستہ کرسمس ٹری کی شکل اختیار کر گئی اور لوگوں نے اپنے اپنے گھروں میں ہی کرسمس ٹری بنانے اور سجانے شروع کر دیے۔ اس ارتقائی عمل کے دوران میں کسی ستم ظریف نے اس پر بچوں کے لیے تحائف بھی لٹکا دیے جس پر یہ تحائف بھی کرسمس ٹری کا حصہ بن گئے۔

ایک رپورٹ کے مطابق آج کل صرف برطانیہ میں 70 لاکھ کرسمس ٹری بنائے جاتے ہیں جن پر 150 بلین پاؤنڈ خرچ آتے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ 200 بلین پاؤنڈ کے بلب اور چھوٹی ٹیوب لائٹس بھی نصب کی جاتی ہیں۔ کرسمس ٹری پر جلائی جانے والی لائٹس تقریباً پورا مہینہ جلائی جاتی ہیں۔ یوں صرف ایک ٹری پر ہزار پاؤنڈ، یعنی ایک لاکھ ستر ہزار روپے تک کی بجلی جلتی ہے۔ یہ اعداد و شمار صرف برطانیہ کے ہیں، باقی آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کرسمس کا آغاز ہوا تو اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں میں مذہبی رجحان پیدا کیا جائے یا یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابتدا میں یہ ایک ایسی بدعت تھی جس کی واحد فضول خرچی موم بتیاں تھیں لیکن پھر کرسمس ٹری آیا، پھر موسیقی، پھر ڈانس اور آخر میں شراب بھی اس میں شامل ہوگئی۔ شراب کے داخل ہونے کی دیر تھی کہ یہ تہوار عیاشی کی شکل اختیار کر گیا۔ صرف برطانیہ کا یہ حال ہے کہ ہر سال کرسمس پر 7 ارب 30 کروڑ پاؤنڈ کی شراب پی جاتی ہے۔ 25 دسمبر 2005ء کو برطانیہ میں جھگڑوں، لڑائی، مار کٹائی کے دس لاکھ واقعات سامنے آئے۔ شراب نوشی کی بنا پر 25 دسمبر 2002ء کو آبرو ریزی اور زیادتی کے 19 ہزار کیس درج ہوئے۔ ایک سروے کے مطابق برطانیہ کے ہر 7 میں سے ایک نوجوان نے کرسمس پر شراب نوشی کے بعد بدکاری کا ارتکاب کیا۔ امریکہ کی حالت اس سے بھی گئی گزری ہے۔ امریکہ میں ٹریفک کے قوانین کی اتنی خلاف ورزیاں ہوتی ہیں کہ پورا سال نہیں ہوتیں۔ 25 دسمبر کو ہر شہری کے منہ سے شراب کی بُو آتی ہے۔ شراب کے اخراجات چودہ ارب ڈالر تک پہنچ جاتے ہیں۔ صرف اٹلانٹک سٹی کے جوا خانوں میں اس روز 10 ارب روپے کا جوا ہوتا ہے۔ لڑائی مار کٹائی کے واقعات کی چھ لاکھ رپورٹس درج ہوتی ہیں۔ 25 دسمبر 2005ء کو کرسمس کے روز کثرت شراب نوشی کی وجہ سے حادثوں کے دوران میں اڑھائی ہزار امریکی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ پانچ لاکھ خواتین اپنے بوائے فرینڈز اور خاوندوں سے پٹیں۔ اب تو یورپ میں بھی ایسے قوانین بن رہے ہیں جن کے ذریعے شہریوں کو یہ تلقین کی جاتی ہے کہ وہ کرسمس کی عبادت کے لیے اپنے قریب ترین چرچ میں جائیں، شراب نوشی کے بعد اپنی گلی سے باہر نہ نکلیں۔ خواتین بھی اس خراب حالت میں اپنے بوائے فرینڈز اور خاوندوں سے دور رہیں۔ مذکورہ بالا اعداد و شمار 2004ء و 2005ء کے ہیں۔

ہم مسلمان بھی اپنی عیدوں پر قانونِ قدرت کی خلاف ورزیاں کرتے ہیں اور طرح طرح کی بدعتوں کے شکار ہو چکے ہیں لیکن عیسائی دنیا اس معاملے میں مسلمانوں کے مقابلے میں بہت آگے ہے۔

اب تو عیسائیوں کے اندر بھی ایسے گروہ پیدا ہو چکے ہیں جو کرسمس کو پسند نہیں کرتے۔ یہ لوگ اس تہوار پر مختلف اعتراضات کرتے ہیں۔ مثلاً مسیح علیہ السلام نے اپنی زندگی میں کرسمس نہیں منائی۔ اس کے بعد بھی تین صدیوں تک اس تہوار کا نام و نشان نہیں تھا، اس سے کرسمس کی حقیقت مشکوک ہو جاتی ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے کرسمس کو سپانسر کر کے اسے مذہبی تہوار کی بجائے دکانداری بنا دیا ہے۔ عیسائی مذہب اور اس کے تہواروں میں درخت کی کوئی گنجائش نہیں۔ انجیل میں واضح الفاظ میں یہ حکم موجود ہے: کسی درخت کو کاٹ کر اسے مصنوعی طریقے پر صحن میں نہ گاڑا جائے۔ (سازشیں بے نقاب)

بائبل میں تقریباً 38 مقامات سے یہ دلیل دی جاتی ہے کہ عیسائیت میں شراب نوشی حرام ہے جبکہ اس روز شراب نوشی اہتمام کے ساتھ کی جاتی ہے۔

مسلمان اور کرسمس

تعلیماتِ اسلام کی روشنی میں ایسے موقع پر ایک مسلمان کو مسیحیوں کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟

دنیا میں بے شمار لوگ ایسے پائے جاتے ہیں جو محض نمود و نمائش کے لیے اپنی تاریخ پیدائش



کچھ ایسے دنوں سے منسوب کر لیتے ہیں، جو قومی یا عالمی سطح پر معروف ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے یوم ولادت پر مبارک باد دینا بھی خلاف واقعہ ہے جبکہ کسی ایسی شخصیت اور دن کو ماننا اور اس کے بارے میں مبارک باد پیش کرنا کہ جن کے متعلق اول تو یہ بات واضح ہے کہ ماضی میں ان تاریخوں میں سورج دیوتا، سیارے (Jupiter, Satum) یا دیگر بتوں کی پیدائش کا جشن منایا جاتا تھا۔ دوم مسیح علیہ السلام کی پیدائش کا دن تو در کنار سن پیدائش بھی معلوم نہیں۔ سوم یہ کہ عیسائیوں کا جس دن کے بارے میں عقیدہ یہ ہو کہ آج کے دن، یعنی 25 دسمبر کو اللہ کا بیٹا پیدا ہوا تھا (معاذ اللہ)، ایک مسلمان کسی کو اس پر کیسے مبارک دے سکتا ہے؟ یاد رکھیں! یہ وہ بات ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًاo لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّاo تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّاo أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا﴾ ''اور انھوں نے کہا: رحمان نے کوئی اولاد بنالی ہے، بلاشبہ تم ایک بہت بھاری بات (گناہ) تک آپہنچے ہو۔ قریب ہے کہ اس (بات) پر آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ گر پڑیں کہ انھوں نے رحمان کے لیے کسی بیٹے کا دعویٰ کیا۔''

(مریم 19:88-91)

لہٰذا مسیحی حضرات کو مبارک باد دینا یا اس ضمن میں کسی بھی تقریب میں شرکت کرنا اسلامی نظریے کے مطابق درست نہیں لیکن ہمارے کچھ نام نہاد علمائے کرام اور آج کا ماڈریٹ مسلمان خواہ مخواہ غیروں کی تہذیب و تمدن سے مرعوب نظر آتا ہے اور بے علمی و جہالت اور نام نہاد روشن خیالی کے سبب نہ صرف مبارک باد اور خوشی کا اظہار کرتا ہے بلکہ مسلمان بھی اس موقع پر برپا کی جانے والی شراب و شباب کی محافل میں شریک ہو کر اظہار یکجہتی کا عملی نمونہ بھی پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسلام قبول کرنے سے قبل میری زندگی میں ایک کرسمس ایسا بھی آیا جس کو میں نے نیکی کا کام سمجھ کے خوب دھوم دھام سے منایا جس میں 80 فیصد میرے ایسے دوستوں نے شرکت کی جو مسلمان تھے اور صرف شرکت ہی نہیں کی بلکہ ثواب سمجھ کر کرسمس پارٹی کے اخراجات میں میری معاونت بھی کی مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ اب جبکہ میں مسلمان ہو چکا ہوں اور گھر میں یا دیگر مقامات پر درسِ قرآن کی مجالس میں شرکت کی دعوت دیتا ہوں تو وہی لوگ، جو رات 3 بجے تک میرے ساتھ کرسمس مناتے تھے، عذر تراشتے ہیں۔

ابھی کل ہی کی بات ہے کہ میں جس مادر پدر آزاد تہذیب کو ٹھوکر مار کر آیا تھا، آج کے کچھ مادہ پرست، حواس باختہ اور سیکولر مسلمان اُسی تہذیب پر اپنی رال ٹپکا رہے ہیں۔ جس بے مثال فلسفۂ توحید، لاجواب نظریۂ حیات اور آخرت کی لازوال کامیابی مجھے اور میرے جیسے کروڑوں لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لائی، وہیں اس دین کی تعلیمات سے بے بہرہ، اپنے اسلاف سے کٹے ہوئے، بے یقینی اور نا اُمیدی کا طوق اپنے گلے میں ڈالے ہوئے کچھ مسلمان اُن تعلیماتِ الٰہی سے نظریں چرا رہے ہیں جن کا بدل پوری کائنات میں نہیں۔

اقبال رحمہ اللہ نے اسی کیفیت کا نقشہ کھینچا تھا:

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تُو نے
وہ کیا گردُوں تھا تُو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا
گنوادی ہم نے جو اَسلاف سے میراث پائی تھی
ثُریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

دور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک آدمی نے نذر مانی کہ وہ بوانہ کے مقام پر اونٹ قربان کرے گا۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا وہاں جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تو نہیں پوجا جاتا تھا؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو کیا وہاں ان کے تہواروں میں سے کوئی تہوار تو منعقد نہیں ہوتا تھا؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: نہیں۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنی نذر پوری کر لو کیونکہ ایسی نذر کا پورا کرنا درست نہیں جو معصیت ہو یا جو آدمی کے بس سے باہر ہو۔''

(سنن أبي داود:3313)

اس سے واضح ہوا کہ مسلمان کا ان مشرکانہ مراسم اور مقامات سے دور رہنا شریعت کو کس شدت کے ساتھ مطلوب ہے۔

رسالہ سہ ماہی ''ایقاظ'' نے اسی سلسلے میں جمع شدہ فتاویٰ شائع کیے تھے جو ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں:

* فقہاء نے اس مسئلہ (غیر مسلموں کے تہواروں میں شرکت نہ کرنے اور مبارک باد نہ دینے) پر



اجماع نقل کیا ہے۔ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے شام کے عیسائیوں کو باقاعدہ پابند فرمایا تھا کہ دارالاسلام میں وہ اپنے تہواروں کو کھلے عام نہیں منائیں گے اور اسی پر سب صحابہ رضی اللہ عنہم اور فقہاء کا عمل رہا ہے، چنانچہ جس ناگوار چیز کو مسلمانوں کے سامنے آنے سے ہی روکا گیا ہو، مسلمان کا وہیں پہنچ جانا اور شریک ہونا کیونکر روا ہونے لگا؟ اس کے علاوہ کئی روایات سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حکم نامہ منقول ہے: ''عجمیوں کے اسلوب اور لہجے مت سیکھو۔ اور مشرکین کے ہاں اُن کے گرجوں میں ان کی عید کے روز مت جاؤ، کیونکہ ان پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے۔''

(اقتضاء الصراط المستقیم از شیخ الإسلام ابن تیمیه)

علاوہ ازیں کافروں کے تہوار میں شرکت اور مبارکباد کی ممانعت پر حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ سب متفق ہیں۔ (فقه حنفي: البحر الرائق لابن نجيم: 555/8) فقہائے مالکیہ تو اس حد تک گئے ہیں کہ جو آدمی کفر کے تہوار پر ایک تربوز کاٹ دے وہ ایسا ہی ہے گویا اُس نے خنزیر ذبح کر دیا۔ (اقتضاء الصراط المستقیم، ص: 354)

کافر کو اُس کے شرک کے تہوار پر مبارکباد دینا کیسا ہے؟ اس پر امام ابن القیم الجوزی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ ایسا ہی ہے کہ مسلمان اُسے صلیب کو سجدہ کرآنے پر مبارکباد پیش کرے! یہ چیز اس سے کہیں زیادہ سنگین ہے کہ آدمی کسی شخص کو شراب پینے یا ناحق یا حرام شرمگاہ کے ساتھ بدکاری کرنے پر مبارکباد پیش کرے۔''

(احکام اهل الذمه: 211/3)

مندرجہ بالا گفتگو سے یہ مغالطہ نہیں ہونا چاہیے کہ اسلام تنگ نظر دین ہے۔ دینِ اسلام ہرگز تنگ نظری کی تعلیم نہیں دیتا بشرطیکہ حقیقی مذہبی تعلیمات کی خلاف ورزی نہ ہو۔ تعلیمات اسلام سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء و رُسل اس کائنات میں سب سے بہترین انسان تھے، لہٰذا وہ لوگ ہمیں ان سے محبت وعقیدت کی کیا تعلیم دیں گے جن کی اپنی کتابیں ان پر ایسے گندے اور گھناؤنے الزام لگاتی ہیں کہ پڑھنے والے کی آنکھیں شرم سے جھک جاتی ہیں۔ یہ مقدس معصوم عن الخطا لوگ تو قیامت تک پوری انسانیت اور زندگی کے لیے رول ماڈل ہیں۔ ''ایک شام مسیح علیہ السلام کے نام'' والا فلسفہ غلط اور ناقص ہے۔ ہر صبح و شام اللہ اور اس کے دین کے نام ہونی چاہیے۔ یہ لوگ محسنوں کی قدر اور رشتوں کا مقام ہمیں کیا بتائیں گے جو اپنے کتوں کو تو اپنے ساتھ سلاتے ہیں مگر اپنے والدین کو اولڈ ہوم چھوڑ آتے ہیں۔ ان کے نزدیک تو تہذیب و تمدن کا مطلب ہی مذہب سے آزادی، ناچ گانا، مصوری، بت تراشی و بت پرستی، مردوزن کا اختلاط، کثرت شراب نوشی، جنسی آوارگی، بے راہ روی، ہم جنس پرستی، سود اور لوٹ کھسوٹ ہے، یعنی ہر طرح کی مادر پدر آزادی جس کے بارے میں اقبال نے کہا تھا:

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

جبکہ اسلام کے نزدیک لفظ تہذیب کا معنی ہی سجانا، آراستہ کرنا، حسین بنانا ہے۔ ہمارے یہاں ہر وہ عمل جزوِ تہذیب ہے جو ہماری شخصیت کو حسین بنائے اور ہمارے کردار کو عظیم بنائے، نیز ہماری دنیا و آخرت ہر دو کو سنوارے۔ یہ ہماری تہذیب ہے۔ علم، اخلاص، خدمت اور محبت ہماری تہذیب کے بنیادی اجزا ہیں۔ یہ ہے وہ تہذیب اور اسلام کی بے مثال تعلیم جو نہ صرف انبیاء علیہم السلام کی عصمت، عزت اور مقام و مرتبہ کی حفاظت کا حکم دیتی ہے بلکہ ان کی اطاعت و اتباع اور ان سے ہر وقت محبت اور ہر لمحہ ان کی اطاعت کرنے کا درس دیتی ہے۔

اسلامی تہذیب وقتی طور پر جمود کا شکار ضرور ہے مگر یہ جمود اسلام کا مستقل مقدر نہیں۔ اسلامی تہذیب کا مستقبل بھی اپنے ماضی کی طرح روشن ہے۔ ان شاء اللہ! بقول اقبال:

دلیلِ صبحِ روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
اُفق سے آفتاب اُبھرا، گیا دورِ گراں خوابی
مکاں فانی، مکیں آنی، ازل تیرا، ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تُو، جاوداں تُو ہے
حِنا بندِ عروسِ لالہ ہے خونِ جگر تیرا
تری نسبت براہیمی ہے، معمارِ جہاں تُو ہے
سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا
یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمزِ مسلمانی
اُخوت کی جہاں گیری، محبت کی فراوانی
یقیں مُحکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالَم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مَردوں کی شمشیریں
یقیں افراد کا سرمایۂ تعمیرِ ملت ہے
یہی قوت ہے جو صورت گرِ تقدیرِ مِلّت ہے
نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی
یہ صَنّاعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

وما علینا الا البلاغ

اسلام سے محبت بنگلہ دیشی عوام کے دلوں میں ہے

محمد ارسلان حجازی

سابق امیر جمعیت اہلحدیث بنگلہ دیش ڈاکٹر شمس العالم حفظہ اللہ سے خصوصی ٹیلی فونک انٹرویو

زیرنظر انٹرویو بھارت سے پیار کی پینگیں چڑھانے والے اور بنگلہ دیش کے سامنے نفرت کی دیواریں کھڑی کرنے والے یا غفلت برتنے والے میڈیائی کردار کا ادنیٰ سا جواب ہے۔ (ایڈیٹر)

بنگلہ دیش اسلام کا دیس ہے۔ بنگلہ دیش اور اسلام کا رشتہ بہت قدیم اور گہرا ہے۔ یہ خطہ مغل حکمرانوں کے دور میں اسلامی تہذیب و ثقافت اور علم و تمدن کا مرکز رہا ہے۔ مغلوں کے دور میں سب سے زیادہ تعلیمی ادارے اور مدارس بنگال میں تھے، انگریز نے جب برصغیر کی دھرتی پر قبضے کے لیے سازشوں کے جال بُنے تو ان کے خلاف اولین مزاحمت کرنے والے نواب سراج الدولہ کا تعلق بھی بنگال سے تھا۔ انگریز دور میں بنگال ایک سو سال تک جماعت مجاہدین کا مرکز رہا اور جماعت مجاہدین کی افرادی قوت کی فراہمی کا بڑا مرکز بھی بنگال ہی تھا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام ڈھاکہ میں عمل میں لایا گیا۔ وہ ڈھاکہ جسے مسجدوں کا شہر کہا جاتا ہے اور بیت المکرّم مسجد جس کے ماتھے کا جھومر ہے۔ 23 مارچ 1940ء کو لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کے عظیم الشان اور فقید المثال اجتماع میں قرارداد پیش کرنے والے مولوی اے کے فضل الحق کا تعلق بھی بنگال سے تھا۔

تحریک پاکستان اور قیام پاکستان میں بنگالی مسلمانوں کی قربانیاں تاریخ کا ایسا روشن اور تابناک باب ہے جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ قیام پاکستان کے بعد طاقت اور اقتدار کا مرکز مغربی پاکستان ٹھہرا۔ اگرچہ دودھ کی نہریں مغربی پاکستان میں بھی نہ بہتی تھیں لیکن مشرقی پاکستان میں غربت، تنگدستی، افلاس اور بے روزگاری عام تھی۔ مغربی پاکستان کے حکمران طبقہ اور افسر شاہی نے کسی موقع پر بھی اپنے بنگالی بھائیوں کے جذبات و احساسات اور مسائل کا پاس، احساس اور ادراک نہ کیا۔ نتیجتاً دوریاں اور نفرتیں بڑھتی چلی گئیں۔ نفرتوں نے ابتدا میں چنگاری کی شکل اختیار کی، بھارت نے چنگاری کو بھڑکا کر شعلہ بنادیا۔ جب یہ شعلہ بھڑکا تو آگ کا الاؤ جل اٹھا جس نے پورے مشرقی پاکستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اور...... پھر پاکستان دولخت ہوگیا۔

پاکستان کو دولخت ہوئے چار دہائیاں ہوچکی ہیں۔ 42 سال کسی بھی غم کو بھلانے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔ لیکن پاکستان دولخت ہونے کا زخم ایسا ہے جو کبھی بھر نہیں سکتا اور ایسا غم ہے جو کبھی بھول نہیں سکتا۔ ہاں! ہمارے حکمرانوں نے ضرور اسے فراموش کردیا ہے۔ اگر ہمارے



حکمرانوں نے اس غم کو یاد رکھا ہوتا اور جس دشمن نے پاکستان کو دولخت کیا تھا اسے فراموش نہ کیا ہوتا تو اب باقی ماندہ...... پاکستان یوں زخم زخم نہ ہوتا۔ پاکستان کو مسائل اور مصائب کی دلدل سے نکالنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ہم 16 دسمبر 1971ء کے موقع پر لگنے والے زخموں کا مداوا کریں، اپنے آپ کو جانیں اور اپنے دشمنوں کو پہچانیں، بہ قول شاعر ؎

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہ گاہ باز خواں این قصہ پارینہ را

ماہنامہ ضیائے حدیث نے اس قصہ پارینہ کی یادوں کو تازہ کرنے اور دبی راکھ کو کریدنے کے لیے جمعیت اہلحدیث بنگلہ دیش کے سابق امیر پروفیسر ڈاکٹر شمس العالم کے ایک فکرانگیز انٹرویو کا اہتمام کیا ہے۔ ڈاکٹر شمس العالم 1951ء کو راجشاہی میں پیدا ہوئے۔ ڈھاکہ یونیورسٹی اور ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ سے ایم اے عربی کیا۔ انھوں نے اپنے تنظیمی سفر کا آغاز جمعیت شبان اہلحدیث سے کیا۔ جمعیت شبان سے وہ جمعیت اہلحدیث میں آئے، پہلے وہ اس کے سیکرٹری جنرل، پھر نائب امیر اور اس کے بعد جمعیت اہلحدیث بنگلہ دیش کے امیر بنے۔

ڈاکٹر صاحب سے انٹرویو لینے کے لیے جب ان کے گھر راجشاہی فون پر رابطہ کیا تو فون ان کے بیٹے نے سنا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کے بیٹے کو بتایا کہ لاہور دارالسلام سے بات کر رہا ہوں۔ ان کا بیٹا دارالسلام کا نام سنتے ہی میری بات درمیان سے کاٹ کر کہنے لگا: ''اچھا تو آپ مکتبہ دارالسلام سے بول رہے ہیں جس کے مدیر عبدالمالک مجاہد صاحب ہیں؟''

ڈاکٹر صاحب کے بیٹے کا بغیر کسی توقف کے یوں لمحوں میں دارالسلام اور جناب عبدالمالک مجاہد تک پہنچ جانے سے مجھے حیرت کا جھٹکا لگا مگر پھر ذہن نے سمجھایا کہ بھلے مانس ایک بنگلہ دیش ہی کیا دارالسلام کا نام تو پوری دنیا میں روشن ہے۔ بعدازاں جب ڈاکٹر شمس العالم صاحب سے بات ہوئی تو وہ تادیر دارالسلام اور اس کے مدیر جناب عبدالمالک مجاہد کا ذکر خیر کرتے رہے۔ ان کا کہنا تھا کہ دارالسلام اب ادارہ نہیں بلکہ اسلام کے احیاء اور غلبہ کی عالمی تحریک بن چکا ہے۔ دارالسلام اسلام کی خدمت و اشاعت کا وہ کام کر رہا ہے جو فی الوقت بہت سی اسلامی مملکتیں، حکومتیں اور ریاستیں بھی نہیں کر رہی ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ میں ہمہ وقت برادر عبدالمالک مجاہد کی درازئ عمر اور صحت کے لیے دعا گو رہتا ہوں۔ 16 دسمبر 1971ء کے سانحہ مشرقی پاکستان کے متعلق ڈاکٹر صاحب کا انٹرویو نذرِ قارئین ہے۔

ضیائے حدیث ڈاکٹر صاحب! اپنے خاندان کے بارے میں بتائیں نیز یہ کہ آپ نے تعلیم کہاں سے حاصل کی اور حصول تعلیم کے بعد آپ کی کیا مصروفیات رہیں؟

ڈاکٹر صاحب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، سب سے پہلے ماہنامہ ضیائے حدیث کے چیف ایڈیٹر برادر عبدالمالک مجاہد اور ماہنامہ ضیائے حدیث کے قارئین کی خدمت میں میری طرف سے محبت بھرا سلام۔ آپ کے اور ہمارے درمیان ایک ہزار میل کا زمینی فاصلہ ہے لیکن اسلام کے رشتے نے ہمیں ایک دوسرے کے قریب تر کر رکھا ہے۔ میرا تعلق ایک بہت ہی معمولی خاندان سے ہے۔ میرے والد خلیل الرحمٰن کاشت کار تھے۔ میں نے گاؤں میں پرورش پائی۔ ہم چار بھائی ہیں بہن کوئی نہیں ہے۔ میری پیدائش 1951ء کو ضلع راجشاہی کے ایک گاؤں میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم بھی گاؤں میں حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسہ عالیہ سے فاضل ادیب کا امتحان پاس کیا اور پہلی پوزیشن حاصل کی۔ پھر بی اے آنرز اور ایم اے عربی کا امتحان دیا۔ ان دونوں امتحانات میں بھی الحمدللہ میں نے پہلی پوزیشن لی۔ 1975ء میں راجشاہی یونیورسٹی سے بغرض تدریس منسلک ہوا۔ درمیان میں 1980ء تا 1985ء تک ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ میں تعلیم کے لیے گیا۔ اس وقت میں وہاں جدہ ریڈیو کے بنگلہ پروگرام سے بھی منسلک رہا۔ جنوری 1986ء میں راجشاہی یونیورسٹی واپس لوٹ آیا اور تاحال اس یونیورسٹی سے منسلک ہوں۔ یہاں میرے سبجیکٹ عربی اور تدریس بخاری شریف ہیں۔

ضیائے حدیث جمعیت اہلحدیث کے ساتھ آپ کی وابستگی کب ہوئی؟

ڈاکٹر صاحب میں نے جماعتی سفر کا آغاز جمعیت شبان اہل حدیث سے ایک کارکن کے طور پر کیا۔ پھر جمعیت شبان اہل حدیث کا مدیر بنا۔ شبان اہل حدیث کے بعد جمعیت اہلحدیث بنگلہ دیش میں شمولیت اختیار کی۔ 1992ء سے 1999ء تک اس کا جنرل سیکرٹری رہا۔ 1999ء کی عالمی اہلحدیث کانفرنس میں مجھے جمعیت اہل حدیث بنگلہ دیش کا نائب صدر منتخب کیا



گیا۔ اس وقت جمعیت اہلحدیث کے امیر ڈاکٹر عبدالباری تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی وفات کے بعد صدر جمعیت اہلحدیث کی ذمہ داری مجھے سنبھالنی پڑی۔ اس وقت جمعیت اہلحدیث بنگلہ دیش کے امیر ڈاکٹر محمد الیاس علی اور جنرل سیکرٹری میر عبدالوہاب اللبیب ہیں۔ دونوں نہایت ہی متحرک وفعال اور صاحب علم ہیں اور بہت اچھے طریقے سے تنظیمی کام کررہے ہیں۔ اللہ دونوں کے جان و مال میں برکت دے اور دونوں کی حفاظت فرمائے۔

ضیائے حدیث جمعیت اہلحدیث بنگلہ دیش کی علمی، دینی اور سیاسی سرگرمیوں سے آگاہ فرمائیں؟

ڈاکٹر صاحب بنگلہ دیش میں مسلک اہلحدیث کا چرچا صدیوں سے ہے۔ تاہم باقاعدہ تنظیمی تاسیس 1946ء میں ہوئی۔ جمعیت اہلحدیث بنگلہ دیش کے بانی علامہ عبداللہ الکافی قریشی ؒ تھے۔ تاسیس کے بعد جمعیت اہلحدیث مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی۔ ہر ضلع ہر گاؤں میں مساجد اور مدارس کے جال بچھا دیے گئے۔ مساجد اور مدارس کے قیام کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ گزشتہ سال ہونے والی مردم شماری کے مطابق بنگلہ دیش کی کل آبادی 16 کروڑ ہے جبکہ اہلحدیث احباب ساڑھے تین کروڑ ہیں۔ سعودی جامعات میں ہر سال کافی طلبہ اعلیٰ تعلیم کے لیے جاتے ہیں اور داعی یا مبعوث بن کر واپس آتے ہیں۔ ان علماء کی دعوت وتبلیغ سے لوگوں کے عقائد کی اصلاح اور عقیدہ توحید کا کام بہت اچھے طریقے سے ہو رہا ہے۔ جہاں تک جمعیت اہلحدیث بنگلہ دیش کا تعلق ہے اس سلسلہ میں میں کہنا چاہوں گا کہ جمعیت اہلحدیث سیاسی سرگرمیوں سے بالکل کنارہ کش ہے۔ یہ صرف دعوتی اور تبلیغی سرگرمیوں تک محدود ہے۔ دعوتی میدان میں جمعیت اہلحدیث خوش اسلوبی سے کام کررہی ہے۔ لوگ بڑی تعداد میں عقیدہ توحید قبول کررہے ہیں اور بدعات وخرافات کا خاتمہ تیزی سے جاری ہے۔

ضیائے حدیث بنگلہ دیش میں اہلحدیث مساجد و مدارس کی تعداد کتنی ہے؟

ڈاکٹر صاحب بنگلہ دیش بنیادی طور پر اسلام سے محبت کرنے والوں کا ملک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں بڑی تعداد میں مساجد و مدارس ہیں۔ ہزار سے زائد مدارس ہیں لیکن ایسے مدارس جن میں دورہ حدیث کروایا جاتا ہے تقریباً 200 ہوں گے۔ موجودہ دور میں الیکٹرانک میڈیا کی وجہ سے دنیا گلوبل ویلج بن چکی ہے۔ الیکٹرانک میڈیا کے جہاں کچھ نقصانات ہیں وہاں اس کے بے شمار فوائد بھی ہیں۔ لوگ الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے براہ راست حرمین شریفین میں خطبات جمعہ، نماز پنجگانہ اور دیگر عبادات کو عین سنت نبوی کے مطابق جب دیکھتے ہیں تو ان کے عقائد کی اصلاح ہوتی ہے۔ اسی طرح مڈل ایسٹ میں بغرض ملازمت یا بغرض کاروبار جانے والوں کے عقائد بھی درست ہوجاتے ہیں۔ جب یہ لوگ واپس آتے ہیں تو دیگر لوگوں کے عقائد کی اصلاح بھی کرتے ہیں۔ اس طرح الحمدللہ مسلک اہلحدیث تیزی سے پھیل رہا ہے۔ بنگلہ دیش کے شمال اور مغرب کے 12 اضلاع میں اہلحدیث کافی اکثریت میں ہیں جبکہ مشرق اور جنوبی علاقے میں اہلحدیث بہت کم ہیں۔ مسلک اہلحدیث کی اشاعت میں سعودی یونیورسٹیوں سے فارغ التحصیل علماء کا کردار قابل رشک ہے۔ بنگلہ دیش میں قادیانی اور دیگر الحادی بھی موجود ہیں۔ مگر الحمدللہ علماء کی کوششوں کی وجہ سے قادیانیت کافی حد تک محدود ہوچکی ہے۔

ضیائے حدیث بنگلہ دیش سے شائع ہونے والے اہلحدیث جرائد ورسائل اور دینی صحافت سے آگاہ فرمائیں؟

ڈاکٹر صاحب بنگلہ دیش میں دینی صحافت کے سلسلہ میں میری پوری تحقیق نہیں۔ اس لیے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ البتہ مسلک اہلحدیث کے کافی جرائد شائع ہورہے ہیں۔ جمعیت اہلحدیث بنگلہ دیش کا ترجمان ماہنامہ ''عرفات'' ہے جو 55 سال سے باقاعدگی سے جاری ہے اور کبھی اس میں تعطل نہیں آیا۔ ماہنامہ عرفات کا بہت اچھا علمی وتحقیقی معیار ہے۔ دینی وعلمی حلقوں میں یہ بڑی دلچسپی اور ذوق وشوق سے پڑھا جاتا ہے۔ ماہنامہ ''عرفات'' جمعیت اہلحدیث بنگلہ دیش کا ترجمان ہے۔ اس لیے اس میں جماعتی سرگرمیوں، دعوتی وتبلیغی پروگراموں کی بھرپور خبریں ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بنگلہ دیشی حکمرانوں اور سیاستدانوں کا بھی ناقد ہے۔ ماہنامہ ''عرفات'' جہاں جمعیت اہلحدیث بنگلہ دیش کو مضبوط ومنظم کرنے میں اہم کردار ادا کررہا ہے وہاں یہ اصلاحی وتعمیر ذہن سازی بھی کررہا ہے۔

ضیائے حدیث آل بنگلہ دیش اہلحدیث کانفرنسیں یا اجتماعات کے بارے میں بتائیں؟



ڈاکٹر صاحب جمیعت اہلحدیث بنگلہ دیش ہر پانچ سال بعد عالمی اہلحدیث کانفرنس کا انعقاد کرتی ہے جس میں سعودی شیوخ کے علاوہ پاکستان، ہندوستان، نیپال اور دیگر ممالک کے جید علماء شرکت کرتے ہیں۔ یہ نہایت ہی عظیم الشان اور فقید المثال عالمی اجتماع ہوتا ہے۔ جس کی بھرپور تیاری کی جاتی ہے۔ کانفرنس کے انعقاد کے لیے کئی ماہ پہلے مختلف انتظامی کمیٹیاں بنادی جاتی ہیں جو بھرپور طریقے سے کانفرنس کی تیاری کے مراحل طے کرتی ہیں۔ الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا میں اس کی بھرپور پبلسٹی کی جاتی ہے۔1992ء میں کانفرنس میں شرکت کے لیے حرم مکی کے رئیس الائمہ الشیخ عبداللہ السبیل تشریف لائے تھے۔ 1999ء میں کانفرنس کے چیف گیسٹ ڈاکٹر عبداللہ عبدالمحسن الترکی تھے۔ پاکستان سے پروفیسر ساجد میر ہر دفعہ کانفرنس میں شرکت کرکے ہماری حوصلہ افزائی فرماتے اور کانفرنس کی رونق کو دوبالا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ یہ کانفرنسیں نتائج واثرات کے اعتبار سے نہایت کامیاب اور مفید ثابت ہوتی ہیں۔ ان کانفرنسوں میں جہاں بنگلہ دیش بھر کے اہلحدیث ذوق وشوق سے شریک ہوتے ہیں وہاں عوام الناس، دیگر سیاسی و مذہبی جماعتوں کے کارکن علماء اور قائدین بھی شرکت کرتے ہیں۔ یوں یہ کانفرنسیں اتحاد بین المسلمین کا مظہر ثابت ہوتی ہیں۔

ضیائے حدیث بنگلہ دیش کی سیاسی و دینی جماعتوں کے کیا مسائل ہیں؟

ڈاکٹر صاحب بنگلہ دیش بلاشبہ مسلم اکثریتی علاقہ ہے۔ یہاں کے لوگ اسلام سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ دنیا میں مسلمانوں پر کسی بھی جگہ آفت ٹوٹے تو بنگلہ دیشی مسلمان ان کی مدد و حمایت کے لیے پیش پیش رہتے ہیں۔ حالیہ سالوں میں قرآن اور صاحب قرآن نبی رحمت ﷺ کی شان میں مغرب کی طرف سے گستاخی کا جو سلسلہ شروع ہوا اس میں بنگلہ دیشی مسلمان صدائے احتجاج بلند کرنے میں دنیا کے کسی خطے کے مسلمانوں سے پیچھے نہیں رہے۔ سیاسی طور پر یہاں کے لوگ دو بڑے گروہوں میں تقسیم ہیں۔ ایک عوامی لیگ اور دوسری جنرل ضیاء الرحمٰن مرحوم کی جماعت بنگلہ دیش نیشنلسٹ پارٹی۔ ان کے علاوہ مختلف مسالک کی 50 کے قریب اسلامی جماعتیں موجود ہیں مگر ان میں سے سرگرم عمل صرف جماعت اسلامی ہے۔ عوامی لیگ جماعت اسلامی کے سیاسی کردار پر پابندی لگانے کی کوشش کررہی ہے مگر اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ عوامی لیگ کی سیاسی چال ہے جس طرح دنیا کے دیگر مسلم ممالک میں صحیح اسلام پسند جماعتوں کے کردار کو محدود کرنے کی کوشش کی جارہی ہے یہی صورت حال بنگلہ دیش میں بھی ہے۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: ''لوگ اللہ کے نور کو بجھانے کا ارادہ رکھتے ہیں مگر ہم اپنے نور کو ضرور مکمل کریں گے اگرچہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناپسند کیوں نہ ہو۔'' (الصف 8:61) ان حالات میں میں یہ کہوں گا کہ اللہ نے چاہا تو بنگلہ دیش میں مذہبی جماعتوں کے کردار کو محدود کرنے کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوگی۔

ضیائے حدیث 1971ء کے بعد آپ کتنی دفعہ پاکستان آئے اور یہاں آنا کیسا لگا؟

ڈاکٹر صاحب میں تین مرتبہ پاکستان کا دورہ کرچکا ہوں۔ پہلی دفعہ 1980ء میں سعودی عرب جانے کے لیے کراچی کے سعودی قونصل خانے میں جانا تھا۔ دوسری مرتبہ 1988ء میں عربی زبان کی ترقی وترویج کے لیے کراچی میں انٹرنیشنل کانفرنس میں شرکت کے لیے بنگلہ دیشی وفد کے ہمراہ پاکستان آیا۔ تیسری دفعہ 2008ء میں لاہور میں منعقدہ مرکزی جمیعت اہل حدیث کی کانفرنس میں شرکت کے لیے آیا اور امیر محترم پروفیسر سینیٹر ساجد میر کے حکم پر اسلام آباد اور آزاد کشمیر کا سفر کیا۔ دونوں جگہ مرکزی مساجد میں اسلام کے مختلف موضوعات پر لیکچر دیے اور سوال و جواب کی نشستیں ہوئیں۔ اسی طرح کراچی کے کچھ معاہد ومدارس اور جامعات میں جانے کا موقع ملا۔ میں جب بھی پاکستان آیا تو یہاں کے لوگوں کی طرف سے مجھے بے پناہ پیار ملا۔ ہر سفر میں مجھے یوں لگا جیسے میں اپنے گھر میں ہوں۔ لوگ پہلے تو عام طریقے سے مجھے ملتے جب انھیں معلوم ہوتا کہ میں بنگلہ دیش سے آیا ہوں تو وہ مجھے معانقہ کرتے۔ ایسا محبت بھرا معانقہ جس کی خوشبو میں آج محسوس کرتا ہوں۔ بازار میں خریداری کرتے وقت ایسے بھی ہوا جب دکانداروں کو معلوم ہوتا کہ میں بنگلہ دیش سے آیا ہوں تو وہ پیسے لینے سے انکار کردیتے۔

ضیائے حدیث بنگلہ دیش میں بھارت کا اثرورسوخ ایک دفعہ پھر بڑھ رہا ہے......وجہ؟

ڈاکٹر صاحب آپ کی یہ بات درست ہے۔

واقعی بنگلہ دیش میں بھارت کا اثر ورسوخ ایک بار پھر بڑھ رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حق اور باطل کی کشمکش بہت پرانی ہے۔ جب پاکستان ایک تھا تو اس وقت بھی یہ اسلام دشمنوں کے ٹارگٹ پر تھا۔ کیونکہ یہ ملک اسلام کے نام پر بنا تھا۔ جب پاکستان دولخت ہوگیا تو تب بھی بنگلہ دیش اور پاکستان اسلام دشمنوں کے نشانے پر ہیں۔ پاکستان دولخت تو ہوگیا لیکن دونوں خطوں کے مسلمانوں کے دلوں میں جو اسلام کے ساتھ محبت، الفت اور قربانی کا جذبہ تھا وہ نکالا نہ جاسکا۔ وہ جذبہ نہ صرف جوں کا توں موجود ہے بلکہ اس میں اضافہ ہوچکا ہے۔ بحثییت مسلمان ہمارا ایمان ہے کہ اللہ رب العزت کیدالکافرین کو ناکام بنانے والا ہے۔ اس کے لیے ضروری یہ ہے کہ ہم کامل مسلمان بن جائیں۔ جب ہم حقیقی معنوں میں مسلمان بن جائیں گے تو ہمارے دلوں سے نہ صرف اسلام دشمنوں کا ڈر ختم ہوجائے گا بلکہ ہمارا ڈر اللہ رب العزت ان کے دلوں میں ڈال دے گا۔ کافروں کی کوشش ہے کہ پوری اسلامی دنیا کو فتح کرلیں۔ میرا یقین ہے کہ اسلام دشمن مسلمان ملکوں میں جتنا اثر ورسوخ بڑھائیں گے مسلمانوں میں مدافعت اور اسلام کے ساتھ محبت کا جذبہ اتنا ہی بڑھے گا۔

ضیائے حدیث ڈاکٹر صاحب! پاکستان دولخت ہونے کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

ڈاکٹر صاحب بات یہ ہے کہ مشرقی پاکستان کے مسلمان اپنے جائز حقوق حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اقتدار اور طاقت کا مرکز مغربی پاکستان تھا، اس لیے ہم بجاطور پر توقع رکھتے تھے کہ





دارالسلام

انعامی کوئز پروگرام

Sh.Siddiq7@Gmail.com

نوٹ: ماہ نومبر کا شمارہ بعض انتظامی امور کی وجہ سے خاصا لیٹ ہوگیا تھا۔ اس وجہ سے ماہ دسمبر کے شمارے کے لیے بروقت ڈاک موصول نہیں ہوسکی تھی، اس لیے آئندہ شمارے کے لیے نئی عبارتیں اور کوئز دیے جارہے ہیں۔

عبارتیں ڈھونڈیں انعام پائیں

① اس نحوست کو نہیں دیکھتے جو سود کی شکل میں اس معاشرے پر چھائی ہوئی ہے۔
② میں جس مادر پدر آزاد تہذیب کو ٹھوکر مار کر آیا تھا، آج کے کچھ مادہ پرست، حواس باختہ اور سیکولر مسلمان اسی تہذیب پر اپنی رال ٹپکار ہے ہیں۔
③ امیر المومنین! اپنی جگہ پر ہی انتظار کریں، لوگوں کو پھلانگ کر آگے نہ آئیں۔
④ جب اس لڑکی کو پتہ چلا کہ یہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے تو وہ فوراً راضی ہوگئی۔

بچوں کے لیے انعامی کوئز

① قرآن مجید کی پانچ تفسیروں کے نام لکھیں؟
② نبی ﷺ کی پھوپھیاں کتنی تھیں نام لکھیں؟
③ ماہ صفر کے حوالے سے منقول حدیث تحریر کریں؟
④ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو کن معجزات سے نوازا گیا تھا؟



ہمارے بھائی مشرقی پاکستان کی تعمیر میں اپنا مخلصانہ کردار ادا کریں لیکن 24 سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود بھی عملی طور پر کچھ نہ کیا گیا۔70ء کا الیکشن مشرقی پاکستان نے دوتہائی اکثریت سے جیتا تو اقتدار کی منتقلی میں لیت و لعل سے کام لیا گیا نتیجتاً جو ہوا وہ افسوس ناک باب ہے جو ہر سچے مسلمان کو خون کے آنسو رُلا دینے والا ہے۔ یہ ایک ایسا سانحہ، المیہ اور زخم تھا جس کی شدت، کسک اور درد کو پوری اسلامی دنیا نے محسوس کیا۔ اس لیے کہ اسلام کے نام پر قائم ہونے والا ملک پوری دنیا میں اسلام کا قلعہ تھا۔ برصغیر کے مسلمانوں کے دل صرف اسلام کے ساتھ دھڑکتے تھے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ دنیا میں جب کہیں مسلمانوں پر مصیبت ٹوٹتی تو برصغیر کے مسلمان غلام ہونے کے باوجود اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد وحمایت میں آواز اٹھاتے تھے۔ پوری مسلم دنیا کی کنفڈریشن برصغیر کے مسلمانوں کا خواب تھا۔ ﴿وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ﴾ کا عملی نمونہ ہم دیکھنا چاہتے تھے اور ایک ہی راستے پر رہنا چاہتے تھے لیکن غیر مسلموں کی سازشوں اور اپنوں کی غفلت کی وجہ سے ہمارے خواب بکھر گئے، پاکستان جو اسلامی دنیا کے اتحاد میں بنیادی کردار ادا کرسکتا تھا دولخت ہوگیا۔

مشرقی اور مغربی بازو کے درمیان تنازع، کفر اسلام کا تنازع نہ تھا۔ مگر بدقسمتی کی بات ہے کہ تنازعات کو حل کرنے کی بجائے مزید ہوا دی گئی۔ یہ کھیل عام لوگوں کا نہیں بلکہ حکمرانوں اور سیاست دانوں کا کھیل تھا جس میں بھارت نے بھی اپنا حصہ ڈالا۔ اقتدار کے ایوانوں میں شروع ہونے والے کھیل کے اثرات آہستہ آہستہ عام لوگوں کے ذہنوں میں بھی جاگزیں ہوتے چلے گئے۔ اوپر کی سطح پر سلگائی جانے والی نفرت کی آگ نچلی سطح پر پہنچ کر شعلوں کی طرح بھڑک اٹھی۔1971ء کے موقع پر ابال نکلا اور آتش فشاں پھٹا۔ جب حالات قدرے پرسکون ہوئے تو احساس ہوا کہ ایک جسم کے دو بازو تھے...... جو کٹ گئے اور ایک جسم کی دو آنکھیں تھیں جو پھٹ گئیں۔

ضیائے حدیث 1971ء کے موقع پر مغربی پاکستان کے لوگ تو خون کے آنسو روئے تھے، تب مشرقی پاکستان کے لوگوں کے کیا احساسات تھے؟

ڈاکٹر صاحب ہمارے لوگ صرف روئے ہی نہیں بلکہ ہزارہا ایسے بھی تھے جو جنگلوں کی طرف نکل گئے۔ وہ آہ وبکا کرتے اور کہتے: اے اللہ! یہ قیامت کیوں برپا ہوگئی۔ ہم اس وقت دہری مصیبت میں تھے۔ ایک پاکستان ٹوٹنے کا غم، مکتی باہنی کے مظالم اور بھارت کی چڑھائی۔ مگر ان حالات میں بھی ہزارہا لوگ ایسے تھے جو استقامت کا پہاڑ بن کر کھڑے رہے۔ یہ دیوانے اس حقیقت کو قبول کرنے کے لیے تیار ہی نہ تھے کہ پاکستان ٹوٹ چکا ہے۔ 71ء کے موقع پر فسادات ہوئے، گھر جلے، بچے ذبح ہوئے اور بھائی کے ہاتھوں بھائی مرے لیکن اس کے بعد ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ان کاموں میں پیش پیش لوگوں کو ہم نے کف افسوس ملتے اور نادم و پشیمان ہوتے دیکھا۔ آخر یہ سب کیا تھا جس نے کف افسوس ملنے اور خون کے آنسو رونے پر مجبور کردیا...... یہ دین کا رشتہ تھا۔ یہ درست ہے کہ بھارت وقتی طور پر اپنے مقاصد حاصل کرنے میں ضرور کامیاب ہوا لیکن وہ بنگالی مسلمانوں کے دلوں سے اسلام کی محبت کھرچنے میں ہرگز کامیاب نہ ہوسکا۔ الحمدللہ بنگالی کل بھی مسلمان تھے آج بھی مسلمان ہیں۔ ان کے جذبہ ایمانی میں کوئی کمی نہیں آئی اور دنیا کی کوئی طاقت انھیں اسلام سے برگشتہ نہیں کرسکتی۔ بنگلہ دیش کا مقدر اسلام سے وابستہ ہے۔ اسلام میں ہی ہمارے لیے عزت، نجات اور کامیابی ہے۔ صرف بنگلہ دیش ہی نہیں اسلام پوری دنیا سے اپنی صداقت، سچائی اور حقانیت کا لوہا منوا رہا ہے۔ خود بھارت کو دیکھ لیں وہاں اسلام کو ختم کرنے اور مسلمانوں کو کچلنے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا جارہا لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور اونچی ذات کے ہندو اسلام کے سایہ عاطفت میں پناہ لے رہے ہیں۔ یہی حال یورپ کا ہے۔ اسلام کے خلاف مغرب میں جس قدر منظم طریقے سے آج پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے ماضی میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی لیکن مغربی دانشوروں کا اسلام کے خلاف کیا جانے والا ہر وار ناکام ہورہا ہے۔ بنگلہ دیش میں ایک خاتون نے اسلام کے خلاف توہین آمیز کتاب لکھی تو بنگلہ دیش کی سرزمین اس خاتون کے لیے تنگ ہوگئی تھی۔ ان حالات میں میں سمجھتا ہوں کہ بنگلہ دیش کا اسلام کے حوالے سے مستقبل نہایت روشن اور واضح ہے۔ ہم حالات سے مایوس نہیں، اللہ نے چاہا تو حالات بہت جلد بدلیں گے۔



حُب رسول ﷺ اور اقبال



فیصل علوی (الریاض)

حکیم الامت، شاعر مشرق، مفکر پاکستان علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کا دل محبت مصطفیٰ ﷺ سے روشن، زبان مدحت نبی ﷺ سے سرشار اور رسول اللہ ﷺ سے عقیدت و محبت ان کا اوڑھنا بچھونا رہا۔ اقبال رحمہ اللہ نے حبیب کبریا ﷺ کو جتنا عقل سے سمجھا اس سے کہیں زیادہ عقیدت و محبت کی عینک سے دیکھا۔ ان کے لیے یہ تصور ہی راحت بخش تھا کہ آقائے نامدار محمد مصطفیٰ ﷺ ان کے ہادی اور راہنما ہیں۔

اقبال کو محبت رسول ﷺ اپنے والد سے ورثہ میں ملی تھی۔ شیخ نور محمد نے جب بھی اقبال کو کچھ سمجھانا ہوتا یا تنبیہ کرنا ہوتی تو وہ قرآن پاک کے حوالے سے یا حضور ﷺ کی سیرت یا تعلیمات کے حوالے سے کرتے۔ ان کی تربیت کے حوالے سے علامہ کا اپنا ہی شعر ان پر صادق آتا ہے۔

قدرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنابندی

علامہ اقبال رحمہ اللہ نے اپنے اردو اور فارسی کلام کے ذریعے حب مصطفیٰ کے پیغام کو عام کرنے کی سعی فرمائی ہے۔ ان کی ایک ہی خواہش تھی کہ ملت کا ہر فرد سیرت محمدی کو اپنا معیار اور آئیڈیل سمجھے۔ ان کے اس شعر سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے اور ان کی یہی خواہش تھی کہ

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے\
دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کردے

ایک خط میں علامہ محمد اقبال رحمہ اللہ اپنے قلبی احساسات کا یوں اظہار فرماتے ہیں: ''میں لاہور کے ہجوم میں رہتا ہوں مگر زندگی تنہائی کی بسر کرتا ہوں، مشاغل ضروریہ سے فارغ ہوا تو قرآن یا عالم تخیل میں قرون اولیٰ کی سیر، مگر خیال کیجیے جس زمانے کا تخیل اس قدر حسین و جمیل و روح افزا ہے وہ زمانہ خود کیسا ہوگا۔

مولوی ان شاء اللہ خان، مدیر ہفت روزہ ''وطن'' کے نام لکھتے ہیں: ''اب ساحل قریب آتا جارہا ہے اور چند گھنٹوں میں ہمارا جہاز عدن جا پہنچے گا۔ ساحل عرب کے تصور نے جو ذوق و شوق اس وقت پیدا کردیا ہے اس کی



داستان کیا عرض کروں، بس دل یہی چاہتا ہے کہ زیارت سے اپنی آنکھوں کو منور کروں۔''

پھر عرب کی مقدس سرزمین کو مخاطب ہو کر کہنے لگے: ''اے عرب کی مقدس سرزمین تجھ کو مبارک ہو! تو ایک پتھر تھی جس کو دنیا کے معماروں نے رد کر دیا تھا مگر ایک یتیم بچے نے اللہ جانے تجھ پر کیا فسوں پڑھ دیا کہ موجودہ دنیا کی تہذیب و تمدن کی بنیاد تجھ پر رکھی گئی۔ تیرے ریگستانوں نے ہزاروں مقدس نقش قدم دیکھے ہیں اور تیری کھجوروں کے سائے نے ہزاروں ولیوں کو تمازت آفتاب سے محفوظ رکھا ہے۔ کاش! میرے بدکردار جسم کی خاک تیری ریت کے ذروں میں مل کر تیرے بیابانوں میں اڑتی پھرے اور یہی آوارگی میری زندگی کے تاریک دنوں کا کفارہ ہو۔ کاش! میں تیرے صحراؤں میں لٹ جاؤں اور دنیا کے تمام سامانوں سے آزاد ہو کر تیری تیز دھوپ میں جلتا ہوا اور پاؤں کے آبلوں کی پروانہ کرتا ہوا اس پاک سرزمین میں جا پہنچوں، جہاں کی گلیوں میں اذان بلال رضی اللہ عنہ کی پرسوز آواز گونجتی تھی۔

علامہ اقبال رحمہ اللہ لسان العصر اکبر الہ آبادی کے نام خط میں قبرِ رسول ﷺ کی زیارت کے لیے اپنی بے تابی کا یوں اظہار فرماتے ہیں: ''اللہ عزّ وجل آپ کو اور مجھ کو بھی زیارت روضۂ رسول ﷺ نصیب کرے۔ مدت سے یہ آرزو دل میں پرورش پا رہی ہے۔ دیکھیے کب جوان ہوتی ہے۔'' علامہ اقبال رحمہ اللہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے سچی محبت کرنے والے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ عقیدت و محبت کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ اس کا اظہار ان کی شاعری سے تو بخوبی ہو جاتا ہے مگر بے شمار واقعات ایسے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال نبی کریم ﷺ کے ساتھ کس قدر محبت رکھتے تھے۔ جب کبھی سرور کائنات ﷺ کا نام نامی اسم گرامی آپ کے سامنے آتا تو آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی تھی۔

پروفیسر یوسف سلیم اپنے مضمون میں رقمطراز ہیں: مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک دن غازی علم الدین شہید کا ذکر چلا تو علامہ اقبال رحمہ اللہ فرط عقیدت سے اٹھ کر بیٹھ گئے۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور کہنے لگے: ''اسی گلاں کردے رہے تے ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا۔'' (یعنی ہم محض باتیں ہی کرتے رہے اور بڑھئی کا بیٹا بازی لے گیا۔) ڈاکٹر صاحب نے نہایت رقت انگیز لہجے میں کہا: میں تو یہ بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی شخص میرے پاس آ کر کہے کہ تمھارے پیغمبر نے ایک دن میلے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔

غازی علم الدین شہید کی مانند کراچی میں غازی عبدالقیوم نے رسول اللہ ﷺ سے محبت کا مظاہرہ کیا اور ایک آریہ سماج نتھورام کو جہنم رسید کیا۔ عبدالقیوم پر مقدمہ چلا اور انھوں نے قتل کا اعتراف کیا اور عدالت کی طرف سے ان کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔ فیصلے کے خلاف ہائیکورٹ میں رٹ دائر کی گئی۔ عدالت عالیہ نے بھی سزائے موت کا حکم برقرار رکھا۔ سندھ کے مسلمانوں میں ایک جوش تھا جو روکے نہیں رکتا تھا۔ بالآخر مسلمانوں کا ایک وفد علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ وہ وائسرائے سے سفارش کر کے اس کی جان بچانے کی کوشش کریں۔ جب یہ وفد علامہ اقبال کے پاس پہنچا اور اپنا مدعا بیان کیا تو علامہ اقبال رحمہ اللہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولے: کیا عبدالقیوم کمزور پڑ گیا ہے؟ ارکان وفد نے بتلایا کہ نہیں وہ تو علانیہ کہتا ہے کہ میں نے جنت خرید لی ہے۔ تو علامہ نے جواب دیا کہ پھر میں اس کے اجر و ثواب کی راہ میں کیسے حائل ہو سکتا ہوں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میں ایسے مسلمانوں کے لیے وائسرائے کی خوشامد کروں جو زندہ رہا تو غازی اور مر گیا تو شہید ہے؟ پھر اس کے بعد یہ اشعار پڑھے:

ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ
قدر و قیمت میں ہے خوں جن کا حرم سے بڑھ کر

پیغمبر اسلام کا نام آتے ہی علامہ اقبال رحمہ اللہ بچوں کی طرح بلک بلک کر رونا شروع کر دیتے تھے اور ان میں سوز و گداز کی ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی جس کو بیان کرنا ممکن نہیں۔ نبی کریم ﷺ کا تذکرہ کرتے ہیں تو ان کا شعری وجدان جوش مارنے لگتا ہے اور مدحیہ اشعار ابلنے لگتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے محبت و عقیدت کے چشمے پھوٹ پڑے ہوں۔

علامہ اقبال رحمہ اللہ کے ہاں روزانہ شام کو محفل سجتی تھی جس میں دوست احباب شرکت کرتے تھے اور علمی و ادبی گفتگو ہوتی تھی۔ ایک دن جب ملاقاتی آپ کے گھر حاضر ہوئے تو علامہ اقبال رحمہ اللہ رو رہے تھے اور ان کی ہچکی

بندھ چکی تھی۔ احباب بڑے فکر مند ہوئے اور حقیقت پوچھی تو علامہ اقبال ؒ نے فرمایا: ابھی ایک نوجوان میرے پاس آیا اور دوران گفتگو بار بار نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو جناب محمد، جناب محمد (ﷺ) کہتا رہا۔ مجھے یہ غم کھائے جارہا ہے کہ جس قوم کے نوجوانوں کی یہ حالت ہو اس قوم کا مستقبل کیا ہوگا؟

علامہ اقبال ؒ خواجہ حسن نظامی کو ایک خط میں لکھتے ہیں: ''جن لوگوں کے عقائد و عمل کا ماخذ کتاب و سنت ہے اقبال ان کے قدموں پر ٹوپی کیا سر رکھنے کو تیار ہے اور ان کی صحبت کے ایک لحظہ کو دنیا کی تمام عزت و آبرو پر ترجیح دیتا ہے۔'' علامہ اقبال ؒ نبی کریم ﷺ پر ہر وقت درود بھیجنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ ان کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ظاہری علاج کے علاوہ باطنی علاج درود شریف کو سمجھتے تھے۔

مشہور صحافی میاں محمد شفیع (م۔ش) حضرت علامہ اقبال کے لقب ''حکیم الامت'' کے ضمن میں ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''گرمیوں کے دن تھے۔ ڈاکٹر عبدالحمید ملک مرحوم (سابق پروفیسر ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور) علامہ اقبال کے پاس تشریف لائے۔ علامہ اقبال نے ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے ان کی خیریت دریافت کی۔ پھر گفتگو کا دور چلا۔ دفعتاً ڈاکٹر عبدالحمید ملک مرحوم نے سلسلہ کلام کا رخ پھیرتے ہوئے نہایت بے تکلفی سے پوچھا کہ ڈاکٹر صاحب! آپ حکیم الامت کیسے بنے؟ علامہ اقبال ؒ نے بلاتوقف فرمایا: یہ تو کوئی مشکل نہیں۔ آپ چاہیں تو آپ بھی حکیم الامت بن سکتے ہیں۔ ملک صاحب نے استعجاب سے پوچھا: وہ کیسے؟ علامہ اقبال ؒ نے فرمایا: میں نے گن کر ایک کروڑ مرتبہ درود شریف کا ورد کیا ہے، آپ بھی اس نسخہ پر عمل کریں تو آپ بھی حکیم الامت بن سکتے ہیں۔

مشہور مسلم لیگی لیڈر راجا احسن اختر مرحوم نے علامہ اقبال کے علمی تجربہ کے متعلق ایک دفعہ از راہِ عقیدت علامہ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مشرق و مغرب کے علوم کا جامع بنایا۔ علامہ فرمانے لگے: ''ان علوم نے مجھے چنداں نفع نہیں پہنچایا۔ مجھے تو نفع صرف اس بات نے پہنچایا ہے جو میرے والد گرامی نے بتائی تھی۔'' مجھے جستجو ہوگئی کہ اس عظیم راز کو کس طرح معلوم کروں جس نے اقبال کو اقبال بنادیا۔ آخر دل کو مضبوط کر کے عرض کیا کہ وہ بات پوچھنے کی جسارت کرسکتا ہوں؟ علامہ اقبال ؒ فرمانے لگے کہ رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام۔ مدینہ اور تاجدارِ مدینہ ﷺ کا نام سن کر اقبال کی آنکھیں بے اختیار نم ہوجاتی تھیں۔

علامہ اقبال ایک سچے مسلمان کی طرح اس خاکِ پاک کو دیکھنے اور عقیدت و الفت سے چومنے کے لیے بے قرار رہے ہیں۔ شوقِ وصال کی شدت بھی ہے اور پاسِ ادب بھی۔ دیکھیے کس والہانہ انداز سے ملتجی ہیں:

ہوا ہو ایسی کہ ہندوستان سے اے اقبال!
اڑا کے مجھ کو غبار رہِ حجاز کرے



امن و امان

(عباس العزم)

جس جگہ زندگی مسکراتی رہے
جس جگہ صبح نو جگمگاتی رہے
جس جگہ آرزو گنگناتی رہے
ایسا اک خوب صورت جہاں چاہیے
اس جہاں میں اب امن و اماں چاہیے
جس جگہ زخم نفرت کے سلتے رہیں
جس جگہ دل محبت سے ملتے رہیں
جس جگہ پھول خوشیوں کے کھلتے رہیں
ایسا اِک خوش نما گلستاں چاہیے
اس جہاں میں اب امن و اماں چاہیے
جس جگہ موج ہو روشنی کی رواں
جس جگہ چاند تارے رہیں ضوفشاں
جس جگہ جھلملاتی رہے کہکشاں
ایسا اِک خوش نظر آسماں چاہیے
اس جہاں میں اب امن و اماں چاہیے
جس جگہ لوگ خوشیاں مناتے رہیں
جس جگہ لوگ کلیاں کھلاتے رہیں
جس جگہ لوگ خوشبو لٹاتے رہیں
ایسا اک باغ جنت نشاں چاہیے
اس جہاں میں اب امن و اماں چاہیے

(پیشکش: حافظ حق نواز)

اُمید کی کرنیں



عبدالمالک مجاہد

وطن عزیز پاکستان میں سعودی عرب سے آئے ہوئے کوئی دو ماہ ہو چکے ہیں۔ اس دوران بہت سے لوگوں سے ملاقاتیں رہیں۔ ان کے احوال جاننے کا موقع ملا۔ بلاشبہ پاکستان میں مہنگائی بے حد بڑھ گئی ہے مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ پوری دنیا میں مہنگائی کا طوفان آیا ہوا ہے۔ یہ وہ جن ہے جو کسی کے قابو میں نہیں آ رہا۔ اور شاید آ بھی نہ سکے۔ کاروباری حالات اچھے نہیں ہیں۔ بتدریج سیل میں کمی آ رہی ہے جس کی وجہ سے بے روزگاری میں اضافہ ہو رہا ہے، لوگوں میں مایوسی پھیل رہی ہے۔ میری خصوصاً نوجوانوں سے ملاقاتیں رہیں، ان کے ساتھ تبادلۂ خیالات کا موقع ملا۔ ان میں بعض نوجوان بڑے پرجوش نظر آئے۔ ان میں کام کرنے اور کچھ بننے کا جذبہ نظر آیا۔ بہت سارے مایوسیوں کا شکار بھی نظر آئے۔ ایک بات جو بطور خاص میں نے نوٹ کی وہ یہ تھی کہ پاکستانی قوم کی تعلیم کے ساتھ اب خوب دلچسپی ہے۔ لوگوں میں اپنی اولاد کو تعلیم یافتہ کرنے اور انھیں اچھے اداروں میں تعلیم دلانے کا رجحان بڑھتا ہوا نظر آیا۔ اب غریب سے غریب آدمی بھی اپنی اولاد کو زیور تعلیم سے آراستہ کر رہا ہے۔

راقم الحروف نے تاریخ کا جو تھوڑا بہت مطالعہ کیا ہے، اس کا نچوڑ جو میرے سامنے آیا یا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ جو قومیں یا افراد مسلسل جدوجہد اور کوشش کرتے ہیں، وہ ایک نہ ایک دن اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاتے ہیں۔ غربت، افلاس یا کسی چیز سے محرومی انھیں اپنے مشن سے دور نہیں رکھ سکتی۔ اس کا مشاہدہ میں نے سعودی عرب میں کیا کہ بعض اہم مناصب پر ایسے لوگ فائز تھے جو جسمانی اعتبار سے معذور تھے مگر یہ معذوری ان کے لیے قطعاً رکاوٹ نہیں بنی انھوں نے اپنی مسلسل جدوجہد کوشش اور محنت سے مایوسیوں کو بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ زیر نظر مضمون میں تاریخ کے دو افراد کے بارے میں لکھ رہا ہوں کہ انھوں نے کیسے تاریخ کے دھارے کا رخ موڑا۔

جو لوگ سعودی عرب میں رہتے ہیں ان کے لیے شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کا نام غیر معروف نہیں۔ وہ بلاشبہ عصر حاضر کے بہت بڑے علامہ، محدث، عالم دین، فقیہ اور سعودی عرب کے مفتی اعظم تھے۔ حکمران ہوں یا عامۃ الناس، ان کی بے حد عزت اور ان سے شدید محبت کرتے تھے، آل سعود اور بطور خاص بادشاہ سلامت ان کی عزت اپنے والد کی طرح کرتے تھے۔ شیخ کا خاندان ''آل باز'' سعودی عرب کا معروف خاندان ہے، اس خاندان میں علم، تجارت اور زراعت کے ساتھ ساتھ نیکی، تقویٰ، طہارت اور اعلیٰ اخلاق جیسی صفات خوب پائی جاتی ہیں۔ ہم اگر اس عظیم شخصیت کو اس دور کا مجدد کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔

ایک مرتبہ راقم نے مشہور عالم دین، سیرت پاک کی معروف کتاب ''الرحیق المختوم'' کے مؤلف مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری سے پوچھا کہ مولانا! اس صدی کے مجدد کون ہیں؟ مولانا موصوف رحمہ اللہ نے قدرے تامل فرمایا، میری طرف گہری نظروں سے دیکھا اور فرمانے لگے کہ عبدالمالک پہلی بات تو یہ سمجھ لو کہ ایک وقت



میں ایک سے زائد مجدد بھی ہوسکتے ہیں، پھر فرمایا: ''میرے نزدیک عصر حاضر میں دو مجدد تھے۔'' میں نے سر اٹھایا اور ہمہ تن گوش ہوگیا۔ فرمانے لگے کہ میرے نزدیک عصر حاضر میں ایک مجدد شیخ علامہ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ اور دوسرے مجدد شیخ ناصرالدین البانی رحمہ اللہ تھے۔

قارئین کرام! آیئے اس اہم اور تاریخ ساز شخصیت کے بارے میں کچھ مزید جانتے ہیں کہ انھوں نے اپنی زندگی کیسے گزاری، شیخ ابن باز رحمہ اللہ کم وبیش ایک صدی پہلے، یعنی 1330ھ میں ریاض میں پیدا ہوئے۔ جب اس دنیا میں آئے تو ان کی بینائی بالکل ٹھیک تھی۔ ریاض میں ہی پلے بڑھے، وہیں تعلیم حاصل کی۔ چودہ سال کی عمر تک ان کی بینائی بالکل درست تھی۔ 1346ھ میں آنکھوں میں کوئی بیماری آتی ہے اور ان کی بینائی بتدریج کمزور ہونا شروع ہوجاتی ہے اور 1350ھ تک پہنچتے پہنچتے آنکھوں کی روشنی بالکل ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اس وقت شیخ بھرپور جوان تھے۔ ان کی عمر بیس سال ہوگی، جب وہ مکمل نابینا ہوتے ہیں۔

عموماً ہمارے معاشرے میں جو نابینا ہوجاتا ہے وہ گھر بیٹھ جاتا ہے، لوگوں کا محتاج ہو جاتا ہے، مانگنا شروع کر دیتا ہے، لوگ اس پر رحم کرتے ہوئے اس کی مدد کرتے ہیں۔ قارئین کرام! ہم تھوڑی دیر کے لیے اس امام ربانی اور مجدد کی طرف دیکھتے ہیں۔ کیا شیخ ابن باز رحمہ اللہ مایوس ہوکر گھر بیٹھ گئے؟ دلبرداشتہ ہوگئے؟ ہمت ہار گئے؟ ہرگز نہیں! ہم ان کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ نابینا ہونے سے، پہلے سے بھی کہیں زیادہ ہمت، طاقت، عزم اور ارادہ کے ساتھ علم کے حصول کے لیے تگ و دو کرنے لگتے ہیں۔ وہ علماء، فضلاء اور صلحاء کے پاس بڑی باقاعدگی سے حاضر ہونے لگتے ہیں اور علم حاصل کرتے ہیں۔ ان کے معمولات کو دیکھنے پر اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے وقت کا نہایت صحیح استعمال کیا، وہ علم کے مراتب طے کرتے ہوئے اپنے ہم عصروں کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے انھیں غیر معمولی حافظے سے نواز دیا۔ یہ بھی ان کی خوش قسمتی تھی کہ انھیں ایسے اساتذہ ملتے ہیں جنھوں نے ان کی زندگی پر دور رس اثرات چھوڑے۔ ابتدائی سالوں ہی میں ان میں انتہائی اعلیٰ علمی ذوق، پختہ رائے، نفع مند علم کے حصول کا ذوق، اولوالعزمی، وسعت نظری اور اعلیٰ کردار جیسی صفات پیدا ہوگئی تھیں۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا شیخ ابن باز رحمہ اللہ کو آنکھوں سے محروم ہونے کے بہت زیادہ فوائد حاصل ہوئے؟

ممکن ہے کہ ہمارے قارئین اس سوال سے چونک جائیں کہ بھلا ایک نابینا شخص بھی بہت سے فوائد حاصل کرسکتا ہے۔ مگر قارئین! درج ذیل نکات پر غور کیجیے۔ آپ کہہ اٹھیں گے کہ آنکھوں جیسی عظیم نعمت سے محرومی سے شیخ ابن باز کو بہت سارے فوائد حاصل ہوئے ہیں، یا یہ کہہ لیں کہ انھوں نے بہت سے فوائد حاصل کیے، جو مجھے اور ہمارے قارئین کو حاصل نہیں۔ چلیے! کاغذ اور قلم سنبھالیں، کچھ فوائد لکھنا شروع کرتے ہیں۔

① سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجروثواب کا عظیم حصول۔ بلاشبہ جو شخص نابینا ہوتا ہے، اللہ اس سے بڑی عظیم نعمت چھین لیتا ہے یا آنکھوں کی نعمت اسے عطا ہی نہیں فرماتا، آیئے! صحیح بخاری کی ایک چھوٹی سی حدیث پڑھتے ہیں۔ حدیث قدسی کے الفاظ ہیں:

''جب میں اپنے کسی بندے کو اس کی دو عزیز ترین چیزوں، یعنی آنکھوں سے محروم کر کے آزماؤں تو اس کے بدلے میں اس کے لیے جنت ہے۔'' (صحیح البخاري: 5653)

② شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے غیر معمولی حافظے سے نوازا ہوا تھا۔ وہ اپنے وقت کے بہت بڑے حافظ الحدیث تھے۔ انھیں بخاری، مسلم، مسند احمد اور دیگر کتب حدیث تقریباً زبانی یاد تھیں۔ وہ جرح وتعدیل کے امام تھے۔ کسی بھی حدیث کا ان کے سامنے ذکر ہوتا تو وہ فوراً اس پر حکم لگا دیتے۔ تشریح بیان کرتے تو سننے والا حیران ہوجاتا کہ اس حدیث کے اتنے معانی اور مطالب ہیں۔

راقم الحروف کو دن کے دروس میں متعدد بار شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ مسجد طلباء اور شائقین حدیث سے بھری ہوتی تھی۔ اکثر وبیشتر کے ہاتھوں میں قلم وقرطاس ہوتے، شیخ حدیث کی شرح بیان کرتے تو وہ اسے لکھتے چلے جاتے۔ انھیں حدیث کے صرف متن کا نہیں بلکہ اس کی اسناد کا بھی بخوبی علم تھا۔ یہ علم، یہ نور، یہ قرآن کریم اور احادیث پر عبور اور ان سے استدلال، سبحان اللہ! یہ اللہ کا خاص کرم اور اس کی ودیعت تھی۔



مجھے یاد آیا کہ وہ اپنی تقریر کے دوران اس کثرت سے قرآن کریم کی آیات تلاوت کرتے تھے اور ان سے مسائل استنباط کرتے تھے کہ میں نے اپنی زندگی میں ان سے زیادہ، قرآن کریم کی قرآن کریم سے تفسیر اور شرح بیان کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔

③ شیخ ابن باز رحمہ اللہ سعودی حکمرانوں کے بہت قریب تھے۔ مگر اس کے باوجود دنیاوی چکا چوندھ، مادیت پرستی اور دیگر دنیاوی فتنوں سے محفوظ تھے۔ وہ نہایت عبادت گزار، متقی اور پرہیزگار شخصیت تھے۔ تقویٰ کے باعث اللہ تعالیٰ نے ان کی قوتِ حفظ اور ذوق کو جلا بخشی تھی۔ ان کے پاس جتنا علم تھا اس پر امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک معروف شعر صادق آتا ہے۔ انھوں نے اپنے استاد امام وکیع سے اپنے حافظے میں خرابی کی شکایت کی تو انھوں نے جو جواب دیا، آیئے پڑھتے ہیں:

شَكَوْتُ إِلٰى وَكِيعٍ سُوءَ حِفْظِي
فَأَرْشَدَنِي إِلٰى تَرْكِ الْمَعَاصِي
وَأَخْبَرَنِي بِأَنَّ الْعِلْمَ نُورٌ
وَنُورُ اللّٰهِ لَا يُهْدٰى لِعَاصِي

''میں نے امام وکیع سے اپنے حافظے میں خرابی کی شکایت کی تو انھوں نے مجھے گناہ ترک کرنے کی تلقین کی اور مجھے بتایا کہ علم نور، روشنی اور ضیاء ہے۔ اور اس کا نور کسی نافرمان، گناہ گار کو نہیں دیا جاتا۔'' (دیوان الامام الشافعی، ص: 106)

④ بینائی سے محرومی شیخ کو اور زیادہ محنت اور تگ و دو کرنے پر ابھارتی ہے۔ وہ نہایت مستقل مزاجی اور ثابت قدمی کے ساتھ علم کے حصول میں لگے رہے۔ اور پھر وہ وقت آتا ہے جب وہ اپنے دور کے کبار علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ دنیا بھر میں ان کا ایک مقام تھا۔ وہ مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر بنتے ہیں۔ سعودی عرب کے مفتی اعظم کے منصب پر فائز ہوتے ہیں۔ سعودی عرب کے سر برآوردہ علماء کے بورڈ کے رئیس بنتے ہیں۔ لوگ ان کے وسعت علم اور فہم و فراست کے قائل تھے۔ ان کی باتیں لکھنا شروع کریں تو کتاب درکار ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کے نور کے بدلے میں ان کے دل میں نور عطا فرما دیا تھا۔ دل میں علم کی حمیت تھی۔ وہ صحیح معنوں میں سنت نبوی ﷺ کے پیروکار تھے۔

⑤ جو لوگ شیخ ابن باز رحمہ اللہ کی مجالس میں بیٹھے اور ان سے فیض یاب ہوئے، ان میں ان سطور کا راقم بھی شامل ہے۔ ان کی من جملہ خوبیوں میں ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ اخلاق سے گری ہوئی بات نہیں کرتے تھے۔ زبان پر گھٹیا الفاظ آنے دیتے تھے نہ آتے تھے۔ جو چیز حیا اور مروت کے خلاف ہوتی اس سے دور بھاگتے تھے۔ وہ چغلی اور غیبت سے کوسوں دور تھے۔ صاف ستھرے اور سچے مسلمان تھے۔ سعودی عرب میں ان کا رتبہ وزیر کے برابر تھا۔ اس عظیم مرتبے اور اعلیٰ شان کے باوجود وہ نہایت متواضع تھے۔ وہ نہایت سخی اور مہمان نواز تھے۔ میں نے اپنی زندگی میں کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جس کے گھر کا دروازہ ہر عام و خاص کے لیے دن میں دو مرتبہ کھلتا ہو۔ ان کا سادہ مگر نہایت لذیذ دسترخوان سج جاتا۔ ہر کوئی بلا امتیاز کھانا کھاتا اور شیخ ابن باز رحمہ اللہ کی درازی عمر اور خیر و برکت کی دعائیں دیتا اٹھ جاتا۔ لوگ انھیں عصر حاضر کا حاتم طائی کہتے تھے۔ اس دسترخوان پر امراء اور شہزادے بھی آتے، علماء اور عامۃ الناس بھی ہوتے۔ سبھی ان کے دسترخوان سے کھانا کھاتے۔ مہمان کم ہوں یا زیادہ، اللہ کھانے میں برکت ڈال دیتا، کبھی کھانا کم نہ ہوتا۔ ان کا پاکستانی باورچی اتنا مزیدار کھانا پکاتا کہ انسان انگلیاں چاٹتا رہ جاتا۔

قارئین کرام! ذرا غور و فکر کریں کہ ایک شخص بینائی سے محروم ہے مگر یہ محرومی ان کے علم کے حصول کے راستہ میں رکاوٹ نہیں بنتی۔ محرومی کی اس آزمائش نے کبھی انھیں مایوس اور ناامید نہیں کیا۔ وہ اپنے رب کی قضا پر راضی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے فضل، علم اور رزق کے دروازے کھول دیے تھے۔

مایوسی کا شکار ہونے والو! ذرا غور و فکر کرو کہ شیخ کے زمانے میں ان کے کتنے ہی ہم عصر بینا تھے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے آنکھیں دی تھیں مگر تاریخ کے صفحات پر ان کا کوئی ذکر نہیں، کوئی انھیں جانتا نہیں، وہ دنیا سے رخصت ہوئے تو کوئی ان پر آنسو بہانے والا نہ تھا۔ آپ بھی ہمت کیجیے مایوسی اور ناامیدی کو اپنی محنت جدوجہد اور کوشش سے شکست دیجیے۔

بلند ہمتی اور اپنی جدوجہد سے جو لوگ اعلیٰ مقام اور مرتبہ پر پہنچے ان میں ایک بڑا نمایاں مقام شیخ عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ کا ہے۔ اموی دور کی عظیم شخصیت کسی بڑے خاندان سے تعلق نہ رکھتی تھی۔ مگر اپنے زہد و تقویٰ اور علم کی



بدولت لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتی تھی۔ لوگ صرف انھی کے فتووں کا اعتبار کرتے تھے۔
ایک مرتبہ اموی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک حج کرنے کے لیے مکہ آتا ہے۔اس نے اپنے حاشیہ سے پوچھا کہ مَنْ عَالِمُ مَكَّةَ؟مکہ کا سب سے بڑا عالم کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اس کا نام عطاء بن ابی رباح ہے۔ خلیفہ کہنے لگا کہ چلو! مجھے اس کے پاس لے چلو، میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ عطاء ؒ کا وقت حرم شریف میں گزرتا تھا۔خلیفہ، وزراء، حاشیہ، پولیس اور فوج کے جلو میں حرم شریف میں آتا ہے۔ دیکھا کہ مسجد کے صحن کے ایک کنارے پر عطاء ؒ ایک معمولی سی چارپائی پر تشریف فرما ہیں۔ان کے اردگرد بہت سارے لوگ دائرہ بنا کر کھڑے ہیں۔ مسائل دریافت کر رہے ہیں۔خلیفہ آگے بڑھا، دیکھا کہ عطاء ؒ کا رنگ کالا ہے۔ صاف نظر آرہا ہے کہ یہ غلاموں کا بیٹا ہے۔ منقہ جتنا سر، نیلی آنکھیں، سر کے بال بکھرے ہوئے، نہ شکل وصورت اور نہ درہم و دینار کے مالک ہیں۔خلیفہ نے عطاء ؒ کی طرف تعجب بھری نگاہوں سے دیکھا اور کہنے لگا:«أَأَنْتَ عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ الَّذِي طَوَّقَ ذِكْرُكَ الدُّنْيَا؟»''کیا تو وہی عطا بن ابی رباح ہے کہ تیرا تذکرہ دنیا میں پھیلا ہوا ہے؟'' جواب میں نہایت متواضع انداز میں فرمانے لگے کہ «يَقُولُونَ ذٰلِكَ» ''لوگ ایسا ہی کہتے ہیں۔'' خلیفہ پوچھتا ہے: «بِمَاذَا حَصَلْتَ عَلٰى هٰذَا الْعِلْمِ؟» ''آپ نے یہ علم کہاں سے اور کیسے حاصل کیا؟'' جواب میں فرماتے ہیں:«بِتَرْكِ فِرَاشِي فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ثَلَاثِينَ سَنَةً»''میں تیس سال تک بیت اللہ الحرام میں علم سیکھتا رہا۔''

قارئین کرام! ذرا غور کیجیے اسے ریاضت کہتے ہیں، اس کا نام ہے جدوجہد اور محنت، تیس سال کا عرصہ کوئی معمولی عرصہ نہیں۔ مگر جنھیں بڑا بننا ہوتا ہے وہ اسی طرح محنت کرتے ہیں۔ جب وہ علم حاصل کر لیتے ہیں، پھر مکہ سے باہر جاتے ہیں۔خلیفۂ وقت نے جو کہا وہ بھی پڑھنے والا ہے، کہنے لگا: «لَا يُفْتِي فِي الْمَنَاسِكِ إِلَّا عَطَاءٌ» ''حج کے موقع پر عطاء کے علاوہ اور کوئی فتویٰ نہ دے۔'' (عائض بن عبدالله القرني، ص: 5)

میں نے ذکر کیا کہ شیخ عطاء بن ابی رباح ؒ نے زیادہ تر وقت حرم مکی میں گزارا۔ ایک مرتبہ یہی سلیمان بن عبدالملک حج کے لیے اپنے بیٹوں سمیت مکہ میں مقیم تھا۔ بیٹوں سے حج کے مسائل پر بحث مباحثہ شروع ہو گیا۔ باپ کا احترام اپنی جگہ مگر یہ دین کا معاملہ تھا۔ طے ہوا کہ عطاء بن ابی رباح ؒ سے مسئلہ پوچھ لیتے ہیں۔خلیفہ سلیمان اپنے بیٹوں سمیت حرم مکی میں آتا ہے۔ ایک کونے میں شیخ عطاء بن ابی رباح ؒ کا حلقہ لگا ہوا ہے۔لوگوں کا ایک جم غفیر ہے جو ان کے اردگرد جمع ہے۔ لوگ مختلف مسائل پوچھ رہے ہیں، خلیفۂ وقت آگے بڑھتا ہے۔ مگر عطاء بن ابی رباح کی آواز آتی ہے:«يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! خُذْ مَكَانَكَ وَلَا تَتَقَدَّمِ النَّاسَ، فَإِنَّ النَّاسَ سَبَقُوكَ إِلٰى هٰذَا الْمَكَانِ» ''امیر المومنین! اپنی جگہ پر ہی انتظار کریں، لوگوں کو پھلانگ کر آگے نہ آئیں۔ اس لیے کہ آپ سے پہلے کتنے ہی لوگ انتظار میں کھڑے ہیں۔''

مجلس میں سناٹا چھا گیا کہ امیر المومنین کے ساتھ عطاء کس لہجے میں گفتگو کر رہے ہیں۔ خود خلیفہ کو بڑی سبکی محسوس ہوئی مگر وہ غصہ پی گیا۔

جب خلیفہ کی باری آئی تو اس نے شیخ عطاء بن ابی رباح ؒ سے مسائل پوچھے، اس کے بیٹوں نے اپنے اشکال دور کیے۔ وہاں سے فارغ ہوئے تو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے اپنے بیٹوں سے بڑی سنہری باتیں کیں۔ تاریخ نے الفاظ نوٹ کیے ہیں۔ آیئے! انھیں پڑھتے ہیں:«عَلَيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالتَّفَقُّهِ فِي الدِّيْنِ» ''میرے بیٹو! تقویٰ اختیار کرو اسے لازم پکڑو اور دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرو۔'' «فَوَاللّٰهِ مَا ذُلِّلْتُ فِي حَيَاتِي إِلَّا لِهٰذَا الْعَبْدِ» ''اللہ کی قسم! میں پوری زندگی اس غلام، یعنی عطاء بن ابی رباح کے سوا کبھی کسی سے رسوا نہیں ہوا۔''

قارئین کرام! اگلے الفاظ کتنے خوبصورت اور اہم ہیں:«لِأَنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ مَنْ يَشَاءُ بِطَاعَتِهِ وَإِنْ كَانَ عَبْداً حَبَشِيًّا، لَا مَالَ وَلَا نَسَبَ» ''کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کے ذریعے جسے چاہتا ہے بلندی عطا فرما دیتا ہے اگرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، ایک ایسا شخص جس کے پاس نہ مال و دولت اور نہ منصب۔ «وَيُذِلُّ مَنْ يَشَاءُ بِمَعْصِيَتِهِ، وَإِنْ كَانَ ذَا نَسَبٍ وَشَرَفٍ» ''اور اپنی معصیت اور نافرمانی کی بدولت جسے چاہتا ہے ذلیل وخوار کر کے رکھ دیتا ہے خواہ اس کا حسب ونسب کتنا ہی بلند وبالا کیوں نہ ہو۔''

(موسوعة الخطب المنبرية: 12/55)

اپنی مدد آپ اور
موجودہ وسائل کا صحیح استعمال

حافظ عبدالسمیع
ریسرچ فیلو دارالسلام

بالعموم انسانی زندگی کا دار و مدار ظاہری مال و دولت پر ہے۔ اللہ تعالیٰ مال و زر کے بغیر سبھی کچھ کرنے پر کامل قدرت رکھتا ہے لیکن یہ اسی کا بنایا ہوا نظام ہے۔ جس طرح سانس لینے کے لیے آکسیجن کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح دیگر معاملات میں مال و دولت کی ضرورت پڑتی ہے۔ آج دنیا میں بحیثیت انسان ہر کسی کو مال و زر کی ضرورت ہے اور ہر کوئی اس کی جستجو میں لگا ہوا ہے۔

بنی نوع انسان اپنی مالی حیثیت کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ کسی کے پاس مال کی فراوانی ہے اور کوئی پائی پائی کو ترستا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں بھری تقسیم ہے۔ اس لیے امیر ہونے پر اترانے اور غریب ہو جانے پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ بس ہمیں اپنی ہمت کے مطابق بہتری کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔

آج من حیث القوم ہم معاشی، سماجی اور سیاسی اعتبار سے مفلوج ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم ''اپنی مدد آپ'' کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس لیے کہ ایک عام آدمی سے لے کر وزارتِ عظمٰی کی کرسی پر براجمان شخصیت تک سب کے سب کسی معجزے کے رونما ہونے کے منتظر ہیں۔ اور تلاش معجزہ میں دوست و دشمن کی پہچان کیے بغیر ہر کسی کے آگے جھولی پھیلا دینے میں عار و شرم محسوس نہیں کرتے۔

آج ہر کوئی چاہتا ہے کہ وطنِ عزیز میں امن و امان قائم ہو، عوام خوشحال ہوں، ان کی بنیادی ضرورتیں پوری ہوں، ان کے ہاں بجلی، گیس، پٹرول وغیرہ کی فراوانی ہو۔ لیکن اس نیک خواہش کی تکمیل کے لیے کسی کے پاس وقت نہیں۔ ہر کوئی اس بھاری ذمہ داری کو دوسروں کے کندھوں پر ڈال کر خود بری ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ اور جو کوئی اس ذمہ داری کو اٹھا لیتا ہے، وہ فوراً کشکول لیے انھی کے دروازے پر دستک دیتا ہے جن کی کرم نوازیوں سے گلستانِ وطن اجڑ رہا ہے۔

عوام سے لے کر ارکانِ پارلیمنٹ تک سب کی ایک سوچ ہے کہ ہم اپنی محنت کے بل



بوتے اوراپنے پاس موجود وسائل کو استعمال کرکے ترقی نہیں کر سکتے۔اسی لیے پہلے عوام پر ظلم وزیادتی کرکے ان سے ٹیکس وصول کیا جاتا ہے، پھر بھیک مانگنے کے لیے اس جمع شدہ خزانے سے سرکاری دورے کیے جاتے ہیں۔ وہاں ان کے نازنخرے اور پروٹوکول اس قدر ہوتا ہے کہ دنیا حیران ہو کر کہتی ہے :واہ، کیا شان ہے بھکاریوں کی!

یاد رہے! دنیا کے افق پر ہمیشہ وہ قومیں جگمگاتی ہیں جو''اپنی مدد آپ'' کرتی ہیں۔اپنے پاس موجود''وسائل''استعمال کرکے ترقی کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اورجو قومیں امداد کی منتظررہتی ہیں، اپنے پاس موجود''وسائل'' سے فائدہ نہیں اٹھاتیں، وہ پستی و زوال کا شکار ہو جاتی ہیں۔

اسلام ہمیں اس بات کا درس دیتا ہے کہ ہم اپنے پاس موجود وسائل سے بھر پور فائدہ اٹھائیں اوراپنی مدد آپ کریں۔

رسول اللہ ﷺ کا اندازِ تربیت

ایک موقع پر رحمت عالم ﷺ سے ایک شخص نے کچھ مانگا۔آپ نے سائل سے پوچھا:''کیا تمھارے گھر میں کوئی چیز ہے؟''وہ عرض کرنے لگا:ایک کمبل اور ایک پیالہ ہے۔ آپ نے فرمایا: ''انھیں میرے پاس لے آؤ۔''جب وہ دونوں چیزیں لے آیا تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنے ہاتھ میں پکڑ کر فرمایا: ''انھیں کون خریدے گا؟''ایک صاحب کہنے لگے: میں انھیں ایک درہم کے بدلے خریدتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''اس سے زیادہ میں کون خریدے گا؟''ایک اور صاحب کہنے لگے: میں انھیں دو درہم کے بدلے خریدتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے وہ دونوں چیزیں انھیں دے دیں اور دو درہم وصول کر لیے۔ پھرسائل سے فرمایا:''ایک درہم کا راشن خرید کراہل خانہ کو پہنچاؤ اور دوسرے درہم کا کلہاڑا خرید کر میرے پاس لے آؤ۔'' جب وہ کلہاڑا لے آیا تو آپ نے اس میں لکڑی کا دستہ لگایااور فرمایا: ''جاؤ جا کرلکڑیاں کاٹو اور انھیں فروخت کرتے رہو، اورتم مجھے پندرہ دن تک نظر نہ آنا۔'' وہ کلہاڑا لے کر چلاگیا، لکڑیاں کاٹتا رہا اور فروخت کرتا رہا یہاں تک کہ اس نے 10 درہم کما لیے، پھراس نے ان میں سے کچھ کے کپڑے خریدے اور کچھ کا گھریلو سامان۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا:''یہ تیرے لیے زیادہ بہتر ہے اس بات سے کہ قیامت کے دن تم آتے اور تمھارے چہرے پر سوال کرنے کا بدنما داغ ہوتا۔''(سنن أبی داود:1643)

محترم قارئین! اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے پاس موجود''وسائل'' کو استعمال میں لائے اوراپنی مدد آپ کرے تو اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد شامل حال ہو جاتی ہے۔

ماہرین معاشیات اور وزارت خزانہ

وطن عزیزمیں معاشی بحران کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ عمومی طور پرہمارے ماہرین معاشیات اپنے آپ کو باکمال اورانتہائی زیرک خیال کرتے ہیں اوراپنے مقابلے میں دوسرے کو کوئی اہمیت دینے کے لیے تیارنہیں ہوتے۔ اس سے بڑاظلم یہ ہے کہ ہرسیاسی جماعت نے اعدادوشمار کے اپنے جادوگر تیار کررکھے ہیں جو ان کا دور اقتدار آتے ہی وزارتِ خزانہ کا قلمدان تھام لیتے ہیں اور جماعتی پالیسیوں کے لیے دل کھول کرخزانے کا منہ کھولتے ہیں۔

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ وطن عزیزمیں برسرِ اقتدار آنے والی جماعتوں کے یہ ہونہار ورکرایک نعرے میں متفق نظر آتے ہیں: خزانہ خالی ہے، معیشت ڈوب جائے گی، لہٰذا مزید ٹیکس لگائے جائیں اور بیرون ممالک سے قرضے حاصل کیے جائیں، ورنہ............

یہ وہ اہم وجہ ہے جس کی بدولت ہر نئے دورِ حکومت میں مہنگائی اور بے روزگاری میں اضافہ ہوتاہے اور عوام مہنگائی میں پس کر رہ جاتے ہیں۔ اگرہمارے معیشت دان اپنے فرائض منصبی کو سمجھنے لگیں اور بڑوں کے تجربے سے فائدہ اٹھانے لگیں، اورہر نئی حکومت وزارتِ خزانہ کا قلم دان منجھے ہوئے معیشت دان کے سپرد کرے تو ہماری معیشت مہینوں میں مستحکم ہوسکتی ہے۔

معاشی ترقی کے لیے پہلا قدم یہ ہے کہ ہم اپنا بجٹ اپنی آمدن کے حساب سے ترتیب دیں۔اپنے پاس موجود''وسائل'' سے سال بھر کے لیے نہایت حکمت ودانش مندی سے ایسا بجٹ تیار کیا جائے کہ حکمرانوں کوٹیکس بڑھانے اورمزید قرض لینے کی ضرورت پیش نہ آئے۔



حکمتوں بھرا فیصلہ

آیئے ہم رسول اللہ ﷺ کا حکمتوں بھرا فیصلہ دیکھتے ہیں:

مدنی زندگی کے ابتدائی ایام میں مہاجر مسلمانوں میں سے اکثر بے سرو سامانی کے عالم میں مدینہ منورہ پہنچے تھے۔اس وقت معاشی ضروریات پوری کرنے کے لیے دوطرح کے وسائل تھے:① مدینہ منورہ کے رہائشی مسلمانوں کا مال و دولت جس سے ان کی اپنی گزر بسر ہوتی تھی۔② مدینہ منورہ کے غیر مسلم قبائل سے (قرض کی صورت میں) مال و دولت حاصل کرنا۔

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے دیگر قبائل سے قرض لینے کی بجائے مہاجرین و انصار میں سے ایک ایک فرد کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا جس کی بدولت سب کی عزت نفس بھی محفوظ رہی اور مشکل وقت بھی گزر گیا اور مسلمانوں کے درمیان محبت والفت کے مزید جذبات نے جنم لیا۔ دوسری طرف اس ایثار وقربانی کی وجہ سے دشمنوں پر مسلمانوں کا رعب و دبدبہ بھی قائم ہوگیا۔

وہ کس قدر معاشی تنگی کا زمانہ تھا لیکن مسلمانوں نے اپنے پاس موجود ''وسائل'' ہی کو استعمال کیا۔اور'' اپنی مدد آپ'' کے اصول کو اختیار کیا اور دنیا کے سامنے خود داری اور ایثار و قربانی کی نئی مثالیں رقم کر گئے۔

ایثار وقربانی اور خود داری کی ایک مثال

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے سیدنا سعد بن ربیع اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کو آپس میں بھائی بھائی بنایا تھا۔ سعد بن ربیع اپنے اسلامی بھائی کی خدمت میں اپنا آدھا مال پیش کر کے کہنے لگے کہ میری دو بیویاں ہیں، ان میں سے ایک کو طلاق دے دیتا ہوں، تم اس سے نکاح کر لینا۔ دوسری طرف خود داری کا عظیم پیکر گویا ہوا: میرے بھائی! اللہ تعالیٰ تمھیں تمھارے مال و دولت اور اہل و عیال میں خوب برکتوں سے نوازے، مجھے صرف بازار کا راستہ بتادو۔

بہرحال سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بازار چلے گئے، وہاں گھی اور پنیر خرید کر فروخت کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تجارت میں خوب برکت ڈال دی اور چند ہی دنوں میں اتنا مال جمع ہوگیا کہ انھوں نے کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا بطورحق مہر ادا کر کے اپنی شادی کر لی۔

(صحيح البخاري:3781)

جو لوگ اپنی مدد آپ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ بھی ان کی مدد فرماتا ہے۔

غزوۂ بدر اور غیبی نصرت

مدینہ منورہ سے مسلمانوں کا مختصر سا لشکر ابوسفیان کے تجارتی قافلے کو روکنے کے لیے نکلا لیکن نوبت جنگ تک پہنچ گئی۔ اس ہنگامی صورت حال میں مسلمان اپنی مدد آپ کرنے کے لیے تیار ہوگئے اور اپنے پاس موجود ہتھیاروں کو لیے میدانِ جنگ میں کود پڑے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کے لیے آسمان سے فرشتوں کو بھیج دیا۔

دشمنوں کا گٹھ جوڑ اور مدینہ منورہ کا دفاع

قریشِ مکہ کو بدر میں شکست ہوئی اور وہ جنگ احد میں بھی خاطر خواہ فوائد حاصل نہ کرسکے تو انھوں نے اردگرد کے قبائل سے گٹھ جوڑ شروع کردیا اور عرب کے تمام بڑے بڑے قبائل کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے ابھارتے رہے یہاں تک کہ 5 ہجری میں ایک بہت بڑا لشکر لے کر مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔

اس موقع پر بھی مسلمان اپنے اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے اپنی مدد آپ کے لیے تیار ہوگئے، اور مدینہ منورہ میں جس طرف سے دشمن کے حملہ آور ہونے کا امکان تھا،اس جانب نہایت کوشش و ہمت سے ایک لمبی چوڑی خندق کھودی گئی۔ یہ ایسی حکمت عملی تھی کہ دشمن کو دانتوں پسینہ آگیا اور وہ اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب نہ ہوسکا۔ مسلمان اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کی بدولت جنگ جیت گئے اور حملہ آور سارے لشکر ذلیل ورسوا ہوکر واپس پلٹ گئے۔

محترم قارئین! آج ہمیں اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ رکھتے ہوئے ''اپنی مدد آپ'' کرنی ہے اور اپنے ہی زورِ بازو سے دنیا میں اسلام کا بول بالا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ آمین!

وما توفيقى إلا بالله عليه توكلت وإليه أنيب.



حدیث ثقلین کا مفہوم؟



حافظ شبیر صدیق
ریسرچ فیلو دارالسلام

رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے کہ یہودیوں کے کل بہتر(72) فرقے بنے تھے اور میری امت تہتر(73) فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ان تہتر(73) فرقوں میں سے صرف ایک فرقہ حق پر ہوگا اور باقی سب صراط مستقیم سے بھٹک جائیں گے۔ جو فرقہ ہمیشہ راہ حق پر قائم رہے گا اس کی نشاندہی کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: ''راہ حق پر چلنے والے لوگ وہ ہوں گے جو میرے راستے پر اور میرے صحابہ کرام کے راستے پر چلنے والے ہوں گے۔'' (جامع الترمذی: 2641)

اس حدیث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ بہتر فرقے مسلمانوں ہی میں سے ہوں گے مگر صراط مستقیم سے ہٹ چکے ہوں گے۔ وہ قرآن و حدیث کو ماننے کا اقرار تو کرتے ہوں گے مگر ان سے معنی اور مفہوم اپنی مرضی کا تراشتے ہوں گے۔ زیرنظر مضمون میں ہمارا مقصد ان فرقوں سے متعلق بحث کرنا نہیں بلکہ ایک حدیث کی وضاحت کرنا مقصود ہے جس سے بعض لوگ اپنی مرضی کا معنی و مفہوم لے کر سادہ لوح عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ذیل میں ہم اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد اس سے متعلقہ بحث کریں گے۔

حدیث ثقلین

رسول اللہ ﷺ نے غدیر خم کے مقام پر صحابہ کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: «أَنَا تَارِكٌ فِيكُمْ ثَقَلَيْنِ: أَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ فِيهِ الْهُدٰى وَالنُّورُ فَخُذُوا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ فَحَثَّ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ وَرَغَّبَ فِيهِ. ثُمَّ قَالَ: وَأَهْلُ بَيْتِي أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي» ''میں تم میں دو ثقل چھوڑے جارہا ہوں: ان میں سے پہلا ثقل اللہ کی کتاب ہے۔ اس ثقل میں ہدایت اور نور ہے پس تم کتاب اللہ کو پکڑ لو اور اس کے ساتھ مضبوطی اختیار کرو۔'' رسول اللہ ﷺ نے کتاب اللہ پر عمل کے حوالے سے لوگوں کو ابھارا اور ترغیب دلائی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ''اور (دوسرا ثقل) میرے اہل بیت ہیں۔ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمھیں اللہ یاد دلاتا ہوں، میں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں تمھیں اللہ یاد دلاتا ہوں، میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمھیں اللہ یاد دلاتا ہوں، یعنی اللہ سے ڈراتا ہوں۔''



(صحیح مسلم: 2408) ایک دوسری روایت میں کتاب اللہ کے ساتھ «عِتْرَتِي» کے الفاظ ہیں۔عترتی سے مراد بھی اہل بیت ہی ہیں۔

(مسند أحمد: 14/3)

ایک غلط استدلال

اس حدیث سے بعض لوگ ایک غلط استدلال کرتے ہیں، بلکہ یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ ان کے تمام مذہب کی بنیاد اس حدیث کا دوسرا حصہ ہے۔ اگران کے مذہب سے اہل بیت کا ذکر نکال دیا جائے تو ان کی پوری کی پوری مذہبی عمارت زمین بوس ہوجائے۔ ان حضرات کا اس حدیث سے استدلال یہ ہے کہ جس طرح کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم ہے اسی طرح اہل بیت کی اتباع و پیروی بھی لازمی اور ضروری ہے۔ اہل بیت میں سے جو بھی شخص جو بھی بات کہے اس کو ماننا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔اس حدیث کی آڑ میں وہ سادہ لوح عوام میں اپنے نظریات پھیلاکر انھیں اپنا مذہب اختیار کرنے کی رغبت دلاتے ہیں۔علم حدیث میں فہم وفراست نہ رکھنے والے افراد ان کے اس حملے کا شکار ہوجاتے ہیں اور اپنی دنیا و آخرت برباد کر بیٹھتے ہیں۔

غلط استدلال کا رد

مذکورہ حدیث سے ان حضرات نے جو استدلال لیا ہے وہ شرعی نصوص کے خلاف ہے۔ جب ہم اس حدیث کے مختلف طرق دیکھتے ہیں اور حدیث کے الفاظ پر غور کرتے ہیں تو بات بالکل واضح ہوجاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تمسک کا لفظ کتاب اللہ کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اہل بیت کے بارے میں صرف ان کی عزت و توقیر اور ان کے ساتھ محبت کرنے کی وصیت کی ہے۔ اس بات کی وضاحت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے کتاب اللہ کے ساتھ اپنی سنت کا ذکر فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: «تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَينِ لَنْ تَضِلُّوا مَاتَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةِ نَبِيِّهِ» ''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں، جب تک تم انھیں تھامے رکھو گے گمراہ نہیں ہوگے، وہ دو چیزیں کتاب اللہ اور اس کے رسول کی سنت ہے۔''

(موطا امام مالک: 899/2)

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہ گروہ اس حدیث کو پکڑ کر تو بڑا ڈھنڈورا پیٹتا ہے کہ اہل بیت کی اطاعت کرنا بھی قرآن کریم کی اطاعت ہی کی طرح ہے مگر اس موقف کا حامل فرقہ اس حدیث کو پس پشت ڈال دیتا ہے جس میں خلفائے راشدین کے طریقے کو لازم پکڑنے کا حکم ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ» ''فتنوں کے دور میں تم میرے اور میرے صحابہ کرام کے طریقے کو مضبوطی سے تھامے رکھنا۔'' (سنن ابن ماجہ: 42)

یہ بات بھی یاد رہے کہ خلفائے راشدین کے طریقے کو لازم پکڑنے کے بارے محدثین علمائے کرام کا منہج یہ ہے کہ ان کی اتباع صرف اسی معاملے میں کی جائے گی جو نبی ﷺ کی سنت کی مطابقت میں ہوگا یا پھر آپ ﷺ کی سنت کی مخالفت میں نہیں ہوگا۔ اسی طرح اہل بیت کی اطاعت بھی اسی منہج کے مطابق کی جائے گی۔ البتہ ہمارا اس حدیث کو یہاں بیان کرنے کا مقصد ان حضرات کو یاد دہانی کرانا ہے کہ اگر ہر معاملے میں اہل بیت کی اطاعت واجب ہے تو پھر خلفائے راشدین کی اطاعت تو بالاولیٰ واجب ہے، اس لیے کہ خلفائے راشدین کے ذکر کے ساتھ تو رسول اللہ ﷺ نے سنت کا لفظ بھی ذکر کیا ہے جو اہل بیت کے ذکر کے ساتھ منقول نہیں ہے۔ اس لیے ان پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ خلفائے راشدین کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانے کے بجائے ان کی عزت و توقیر کریں اور ان کے طریقے کے مطابق زندگی گزاریں۔

امام مناوی رحمہ اللہ حدیث کے الفاظ «عِتْرَتِي أَهْلِ بَيْتِي» کے ذیل میں لکھتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کی ان الفاظ سے مراد یہ ہے کہ اگر تم کتاب اللہ کے اوامر کی پیروی کرو، اس کی نواہی سے اجتناب کرو اور میرے اہل بیت کے طریقے سے رہنمائی لو اور ان کی سیرت کی اقتدا کرو تو تم ہدایت پاجاؤ گے اور گمراہ نہیں ہوگے۔'' (فيض القدير للمناوي: 36/11) یعنی اوامر ونواہی میں اطاعت صرف کتاب اللہ کی ہے۔ اہل بیت کے طریقے سے صرف گائیڈ

لائن لی جائے گی تاکہ کتاب وسنت کا جوفہم ہے اسے صحیح طرح سے سمجھا جاسکے۔ واللہ اعلم

لفظ ''عترتی'' سے مراد تمام اہل بیت ہیں؟

درج بالا حدیث کی وضاحت میں اس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ لفظ ''عترتی'' سے مراد کون لوگ ہیں۔ ائمہ محدثین نے اس حوالے سے جو وضاحت کی ہے وہ درج ذیل ہے:

امام حکیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''عترتی'' سے مراد باعمل علماء ہیں، اس لیے کہ وہ قرآن سے جدائی اختیار نہیں کرتے۔ باقی رہے وہ لوگ جو جاہل ہیں یا علمائے سوء ہیں تو وہ اس مقام افضلیت سے بہت دور ہیں۔ اصل چیز تو یہ دیکھی جاتی ہے کہ کون سا شخص اچھے خصائل سے آراستہ ہے اور اپنے آپ کو برے اخلاق سے بچائے ہوئے ہے۔ علم نافع اہل بیت کے علاوہ اگر کسی اور کے پاس ہو اور چاہے وہ کوئی بھی ہو اس کی اتباع کرنا بھی ہم پر لازم ہے۔

(فتاویٰ الشبکۃ الإسلامیۃ: 2984/5)

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عترۃ سے مراد نبی ﷺ کے اہل بیت میں سے وہ لوگ ہیں جو آپ ﷺ کے دین پر قائم ہیں اور آپ ﷺ کے اوامر کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں۔

(فتاویٰ یسألونك: 164/2)

ملا علی القاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''عترۃ سے مراد اہل بیت میں سے وہ لوگ ہیں جو اہل علم ہیں، آپ ﷺ کی سیرت پر مطلع ہیں، آپ ﷺ کے طریقے سے واقف ہیں اور آپ ﷺ کے اوامر اور سنت کو جانتے ہیں۔'' (فتاویٰ یسألونك: 164/2)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جن اہل بیت کی اطاعت کی جائے گی ان سے مراد وہ اہل بیت ہیں جو اہل علم ہیں اور نبی ﷺ کے طریقے پر مضبوطی سے کاربند ہیں۔ اگر کسی شخص کا نسب نامہ اہل بیت سے تو جاملتا ہے مگر وہ بدعات وخرافات میں لت پت ہے تو اس کی اطاعت تو کجا ان بدعات وخرافات کی بنا پر اس سے بیزاری کا اعلان بھی کیا جائے گا۔

اہل بیت سے محبت جزو ایمان ہے

اہل السنہ والجماعہ (اہل الحدیث) کا ہمیشہ یہ منہج رہا ہے کہ نبی ﷺ کے ایک ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی سے محبت بھی ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ افضل الامہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر ایک عام صحابی تک سب سے محبت کرنا ہم پر فرض ہے۔ البتہ صحابہ وصحابیات میں سے بعض شخصیات ایسی ہیں جو بہت زیادہ محبت کی مستحق ہیں۔ جس طرح ایک شخص محبت تو اپنے سب رشتے داروں سے کرتا ہے مگر بعض سے کچھ زیادہ ہی محبت ہوتی ہے۔ اسی طرح ہمیں محبت تو تمام صحابہ کرام سے ہے مگر نبی ﷺ کی اہل بیت کے بارے میں خاص وصیت کی بنا پر وہ ہماری بہت زیادہ محبت کے مستحق ہیں۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ

آپ کے تاثرات

محترم جناب چیف ایڈیٹر ماہنامہ ضیائے حدیث
السلام علیکم!
میں ساتویں جماعت کا طالب علم ہوں اور ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں۔ مجھے ایک دوست کے ہاں آپ کا ''ماہنامہ ضیائے حدیث'' پڑھنے کا اتفاق ہوا، جسے پڑھ کر میں بہت متاثر ہوا اور مجھے یہ بے حد پسند آیا۔ ہمارے گھریلو حالات اتنے بہتر نہیں ہیں بڑی مشکل سے گزر بسر ہو رہا ہے۔ مہربانی فرما کر مجھے ہر ماہ فری میں ''ماہنامہ ضیائے حدیث'' ارسال فرما کر حوصلہ افزائی کریں۔ میرا پتہ درج ذیل ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری اس گزارش پر غور فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہو۔ والسلام

فیصل رزاق خان

****

محترم ایڈیٹر ماہنامہ ضیائے حدیث لاہور
السلام علیکم!
آپ کا رسالہ ضیائے حدیث بہت مفید اور معلوماتی رسالہ ہے۔ اس کا خوبصورت ٹائٹل، طباعت، علمی واصلاحی مضامین واقعی دارالسلام کی تحقیق کا آئینہ دار ہیں۔ یہ رسالہ ہاتھ میں آتا ہے تو کوشش یہی ہوتی ہے کہ جلد از جلد ترتیب وار مطالعہ کرلیا جائے۔ والسلام

محمد ارشد علی قادری



نے بڑی تاکید کے ساتھ یہ وصیت فرمائی ہے۔ یہ تاکید اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ آپ کے اہل بیت کی عزت وتوقیر کی جائے، ان کا احترام بجالایا جائے اوران کے ساتھ دلی محبت کی جائے۔'' (حدیث الثقلین وفقهه للدکتور علی السالوس:25/1)

اہل بیت کون......؟

محترم قارئین! درج بالا حدیث کے ذیل میں اس بات کی وضاحت بھی فائدے سے خالی نہیں ہے کہ اہل بیت میں کون کون سے افراد آتے ہیں۔ اس نزاع کو حل کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ ایک مخصوص گروہ اپنے افکار و نظریات کے پیش نظر چند ایک افراد کو اہل بیت میں شمار کرتا ہے۔ یوں کہہ لیں کہ بعض صحابیات سے بغض وعناد کی بنا پر وہ گروہ انھیں اہل بیت میں سے ماننے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اس گروہ کا موقف یہ ہے کہ سورۃ الاحزاب کی آیت: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ سے مراد صرف سیدنا علی، فاطمہ اور حسن وحسین رضی اللہ عنہم ہیں۔ وہ ازواج مطہرات کو اہل بیت میں شمار نہیں کرتے ہیں۔ ان کا یہ موقف کئی وجوہ کی بنا پر غلط ہے۔

اگر آیت کا سیاق وسباق دیکھ لیا جائے تو یہ بات باآسانی سمجھ آجاتی ہے کہ اس آیت کا اصل مصداق ازواجِ مطہرات ہی ہیں۔ اسی طرح قرآن وحدیث کے بہت سارے دلائل بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔

یہ حضرات صحیح مسلم کی ایک حدیث اپنے موقف کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ حدیث یوں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک دن سیدنا علی و فاطمہ اور حسن وحسین رضی اللہ عنہم کو اپنے اوپر لی ہوئی چادر میں لیا اور اس آیت کی تلاوت فرمائی: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ ''اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ تم سے غلاظت کو دور کردے اور تمھیں بالکل پاک و صاف کردے۔'' (صحیح مسلم: 2424) ان کا استدلال یہ ہے کہ نبی ﷺ نے صرف ان چاروں کو چادر میں داخل فرمایا اور پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ اگر کوئی اور بھی اہل بیت میں شامل ہوتا تو نبی ﷺ اس کو بھی چادر میں داخل کرتے۔

ان کا یہ استدلال دلائل سے عاری اور بالکل بے معنی ہے۔ جب ہم اس حدیث کے مختلف طرق دیکھتے ہیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس موقع پر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے سوال کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم تو اہل بیت ہو ہی البتہ یہ بھی اہل بیت میں سے ہیں۔ (المستدرك للحاكم: 278/3)

شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حدیث الکساء سے سورۃ الاحزاب کی اس آیت کی وسعت کا پتہ چلتا ہے کہ اہل بیت میں ازواج مطہرات کے ساتھ ساتھ یہ چاروں شخصیات بھی شامل ہیں، اس لیے کہ اہل بیت میں اصل ازواجِ مطہرات ہی ہیں۔'' (سلسلة الاحاديث الصحيحة:280/4)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل بیت میں اصل ازواجِ مطہرات ہیں۔ اسی طرح اہل بیت میں وہ تمام لوگ بھی ہیں جن کے لیے صدقے کا مال حلال نہیں ہے۔ واللہ اعلم

محض دعویٰ محبت فائدہ نہیں دے گا

آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ اہل بیت کے ساتھ محبت کا دعویٰ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنا نسب بھی ان کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا اہل بیت کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا مگر وہ اپنے آپ کو ''سید'' کہلوانا شروع کردیتے ہیں۔ سید کہلوانے کا عام سا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کا تعلق بھی اہل بیت کے ساتھ ہے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ اہل بیت سے نہ تو محض دعویٰ محبت سود مند ہے اور نہ ہی زبردستی ان کے ساتھ تعلق جوڑنا کچھ فائدہ دے گا۔ بلکہ یہ محبت اسی وقت فائدہ دے گی جب ان سے حقیقی محبت ہوگی اور شرعی دلائل کی روشنی میں ان کے نقشِ قدم پر چلا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ» ''جس شخص کے عمل نے اسے پیچھے چھوڑ دیا اس کا نسب اسے آگے نہیں پہنچا سکے گا۔'' (صحیح مسلم: 2699) یعنی کامیاب ہونے کے لیے عمل صالح کا ہونا ضروری ہے۔ ایسا عمل جو قرآن وحدیث کے مطابق ہو نہ کہ اپنی خواہشات پر مبنی ہو۔





آپ کے سوالات اور ان کا حل

ابوالحسن حافظ عبدالخالق، ریسرچ فیلو دارالسلام

جرابوں پر مسح

سوال کیا مروجہ اونی، سوتی اور نائیلون کی جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے، اور کیا صحابۂ وتابعین سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے؟

جواب وضو میں چمڑے کے موزوں پر مسح کی طرح، جرابوں پر مسح کرنا بھی جائز اور ایک شرعی رخصت ہے۔ ضرورت کے تحت جو فائدہ موزوں سے اٹھایا جا سکتا ہے، یقیناً وہی فائدہ بدرجۂ اولیٰ جرابوں سے بہتر انداز اور آسانی سے اٹھایا جا سکتا ہے۔ یہ رخصت نبی اکرم ﷺ کی صحیح احادیث سے ثابت ہے، نیز اس عمل کی توثیق وتصدیق اور تائید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل اور تابعین عظام کے اقوال سے بھی بلا اختلاف منقول ہے۔ بقول ابن قیم رحمہ اللہ، ائمہ سلف وخلف اور علماء کی اکثریت اس کی قائل و فاعل رہی ہے۔ (تهذيب السنن مع العون: 189/1)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر روانہ کیا، (سفر میں) انھیں سردی لگی، بالآخر جب وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس واپس آئے تو انھوں نے سردی کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے انھیں پگڑیوں اور ہر اس چیز پر مسح کرنے کی اجازت دی جس سے پاؤں کو گرمائش حاصل ہو۔'' (مسند أحمد: 277/5، سنن أبي داود: 177/1 مع العون، مستدرك حاكم: 169/1)

اعتراض: امام احمد رحمہ اللہ کے بقول سند میں موجود راشد بن سعد کا ثوبان سے سماع ثابت نہیں ہے۔ (دیکھیے: مراسيل، ص: 22 لابن أبي حاتم)

جواب: امام المحدثین امام بخاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے: «سمع ثوبان و يعلى بن مرة» (التاريخ الكبير: 292/3) ''راشد بن سعد نے ثوبان اور یعلیٰ بن مرہ سے سنا ہے، لہٰذا سند میں انقطاع والی بات درست نہیں ہے۔ سند متصل اور حدیث صحیح ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس کا عنعنہ بھی مضر نہیں کیونکہ یہ راوی مدلس نہیں، اس لیے حدیث شرطِ معاصرت اور امکانِ لقاء کی بنیاد پر امام مسلم اور جمہور محدثین کے نزدیک صحیح ہے۔

نوٹ: ثوبان کی مذکورہ حدیث میں ''تَسَاخِين'' پر مسح کی مشروعیت بھی مروی ہے، ابن رسلان، لفظ تساخین کے متعلق فرماتے ہیں: «كُلُّ مَا يَسْخَنُ بِهِ الْقَدَمُ مِنْ خُفٍّ وَجَوْرَبٍ وَنَحْوِهِمَا» ''ہر وہ چیز جس سے پاؤں کو گرمائش حاصل ہو، خواہ وہ چمڑے کا موزہ ہو یا جراب یا ان جیسی کوئی اور چیز۔'' (عون المعبود: 56/1، و تحفة الأحوذي: 290/1)

یاد رہے اگرچہ اکثر نے ''تساخین'' کے معنی ''چمڑے کے موزے بھی'' کیے ہیں لیکن اس کے تحت جرابیں بھی آتی ہیں جیسا کہ مذکورہ قول سے ثابت ہوا۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا اور



جرابوں اور جوتوں پر مسح فرمایا۔'' (مسند أحمد: 252/4، وسنن أبي داود مع العون: 186/1، وسنن ترمذی، شرح احمد شاکر :167/1، حدیث: 99، سنن ابن ماجہ: 559، ابن حبان (محقق): 167/4)

اعتراض: امام ابوداود کے بقول امام عبدالرحمٰن بن مہدی اس حدیث کو بیان نہیں کرتے تھے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے معروف روایت، مغیرہ رضی اللہ عنہ سے چمڑے کے موزوں پر مسح کرنے کی ہے۔

دیگر جن ائمہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے ان کے نزدیک بھی وجہ ضعف اس کا شذوذ ہے۔ گویا فی نفسہ اس کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

جواب: ائمہ متقدمین میں سے امام ترمذی نے اس روایت کو ''حسن صحیح''، ابن حبان نے صحیح اور امام ابن حزم نے قابل حجت قرار دیا ہے، قدرے تفصیل ملاحظہ فرمائیے:

علامہ ابن ترکمانی کی تحقیق

ائمہ متاخرین میں سے علامہ ابن ترکمانی حنفی اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں، فرماتے ہیں: ''ان دونوں راویوں نے دیگر راویانِ حدیث کی ایسی مخالفت نہیں کی جو ان کے معارض و مخالف ہو بلکہ انھوں نے ایک زائد چیز روایت کی ہے جو دوسروں نے بیان نہیں کی اور یہ طریق بجائے خود مستقل حیثیت کا حامل ہے معارض نہیں ہے، اس لیے اس اختلاف کو دو الگ الگ حدیثوں پر محمول کیا جائے گا، اسی بنیاد پر امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔'' (الجوهر النقي: 283/1)

علامہ بدرالدین عینی حنفی کی تحقیق

فرماتے ہیں: ''ہم کہتے ہیں کہ اس حدیث میں (دوسرے راویوں کی) مخالفت والی کوئی بات نہیں، بلکہ (جرابوں پر مسح کرنا) ایک مستقل زائد امر ہے، لہٰذا ان اسانید کو کوئی ہٹ دھرم اور متعصب ہی ضعیف قرار دے گا۔'' (البناية شرح الهداية: 600/1 و شرح سنن أبي داود از عینی: 374/1)

محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی تحقیق

فرماتے ہیں: «إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الْبُخَارِيِّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ: إِنَّهُ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَاحْتَجَّ بِهِ ابْنُ حَزْمٍ» ''اس حدیث کی سند صحیح ہے اور امام بخاری کی شرط پر ہے۔ امام ابن حبان نے اس کو صحیح اور امام ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے اور ابن حزم نے اس سے حجت پکڑی ہے۔ (سنن أبي داود کی مفصل تحقیق: 274/1، إرواء الغليل، حدیث: 101 از ناصر الدین البانی)

حدیث ابوموسیٰ اشعری

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا اور جرابوں اور جوتوں پر مسح کیا۔''

اعتراض: امام ابوداود فرماتے ہیں: ''یہ روایت متصل ہے نہ قوی۔'' (سنن أبي داود مع العون: 188/1)

امام بیہقی نے عدم اتصال کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ''ضحاک کا ابوموسیٰ سے سماع ثابت نہیں ہے۔'' (سنن بیہقی: 285/1)

جواب: اس روایت کی سند میں انقطاع والی بات غلط ہے، کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: «سمع أبا موسیٰ» یعنی ضحاک نے ابوموسیٰ سے سنا ہے۔ (التاریخ الکبیر: 334/2/2) یہی تحقیق علامہ ابن ترکمانی حنفی اور علامہ عینی کی ہے۔ (سنن بیہقی مع الجوهر النقي: 285/1، البناية شرح الهداية: 600/1، وشرح سنن أبي داود: 377/1 از علامہ عینی) لہٰذا سند متصل ہے اور دعوائے انقطاع مردود ہے۔

محدث العصر ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی تحقیق

اس روایت کے متعلق فرماتے ہیں: ''اس روایت کا منقطع ہونا تسلیم نہیں نیز یہ سابقہ روایت کی بنا پر قوی ہے۔'' (سنن أبي داود کی مفصل تحقیق: 276/1، مزید دیکھیے: تحقیق مسند أحمد: 144/3 از شیخ شعیب أرناؤط ورفقاء)

حدیث انس بن مالک

امام دولابی نے اپنی سند سے ازرق بن قیس سے روایت کیا ہے، وہ

کہتے ہیں: ''میں نے انس بن مالک کو دیکھا کہ وہ بے وضو ہوئے تو انھوں نے اپنا منہ اور دونوں ہاتھ دھوئے (پورا وضو کیا اور آخر میں) اونی جرابوں پر مسح کیا۔ میں نے کہا: کیا آپ ان پر بھی مسح کرتے ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا: «إنهما خفان، ولكنهما من صوف» ''یہ (اونی جرابیں) خف ہی ہیں لیکن فرق اتنا ہے کہ یہ اون کے ہیں۔'' شیخ احمد شاکر نے اس روایت کی سند کو صحیح کہا ہے۔(مقدمة المسح على الجوربين، ص: 13)

اور بھی صحیح طرق سے حضرت انس سے یہ مسح منقول ہے جس سے مزید زیر بحث اثر کو تقویت ملتی ہے۔(محلی ابن حزم: 2/84-85)

فائدہ: معلوم ہوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اونی جرابوں پر بھی مسح کرتے تھے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ خف کا اطلاق نرا چمڑے کے موزے ہی پر نہیں ہوتا جیسا کہ عام اہل لغت کا قول ہے بلکہ اون وغیرہ کی بنی ہوئی جرابوں کو بھی خف کہا جاتا ہے جیسا کہ صدر اول کے خالص عربی النسل اہل زبان انس بن مالک صحابی رسول ﷺ کے صحیح مذکورہ بالا قول سے ثابت ہوتا ہے۔ گویا لفظ خف کے مدلول اور اس کے معنی ومفہوم میں جرابوں پر مسح کرنا بھی داخل ہے، کیونکہ اس استدلال پر خف کی لغوی وضع اپنے وسیع تر مفہوم کے تحت دلالت کرتی ہے۔(قاله أحمد شاكر)

جرابوں پر مسح کے قائلین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلا اختلاف جرابوں پر مسح کرتے تھے۔ امام ابوداود نے اپنی سنن میں نو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جرابوں پر مسح ذکر کیا ہے: ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں: ① علی بن ابی طالب ② ابن مسعود ③ براء بن عازب ④ انس بن مالک ⑤ ابوامامہ ⑥ سہل بن سعد ⑦ عمرو بن حریث ⑧ عمر بن خطاب ⑨ ابن عباس رضی اللہ عنہم۔ (سنن أبي داود مع العون: 1/189)

عظیم محدث وفقیہ امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں: اصحاب النبی ﷺ اور ان کے بعد تابعین عظام رحمہم اللہ کی سنت اور عمل بھی جرابوں پر مسح کرنے ہی کا ہے، اس بارے میں ان کا کوئی اختلاف نہیں۔

(الأوسط لابن المنذر، 1/464-465، المحلیٰ لابن حزم: 2/84-85)

امام ابن منذر فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے نو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جرابوں پر مسح کرنا منقول ہے۔ (الأوسط: 1/462، شرح المهذب للنووي: 1/527)

آثارِ صحابہ

اختصار کے پیش نظر جرابوں پر مسح کرنے کے حوالے سے صرف چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار و روایات ذکر کرتے ہیں۔

① یحییٰ البکاء کہتے ہیں: میں نے ابن عمر کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: «اَلْمَسْحُ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ كَالْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ» ''جرابوں پر مسح کرنا موزوں پر مسح کرنے کی طرح ہے۔'' (مصنف عبدالرزاق: 1/201، ابن أبي شيبه: 1/173)

② خالد بن سعد بیان کرتے ہیں: ''ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بالوں سے بنی ہوئی اپنی جرابوں اور جوتوں پر مسح کرتے تھے۔'' (مصنف عبدالرزاق: 1/199)

③ حماد بن سلمہ بواسطہ ابو غالب روایت کرتے ہیں: ''ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ جرابوں، چمڑے کے موزوں اور پگڑی پر مسح کرتے تھے۔'' (ابن أبي شيبه، رقم الأثر: 1990)

④ ابراہیم نخعی بیان کرتے ہیں: ''بلاشبہ ابن مسعود موزوں اور جرابوں پر مسح کیا کرتے تھے۔'' (مصنف عبدالرزاق: 1/201)

⑤ جلیل القدر تابعی امام قتادہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں: «كَانَ يَمْسَحُ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ مِثْلَ الْخُفَّيْنِ» ''انس بن مالک جرابوں پر چمڑے کے موزوں کی طرح مسح کرتے تھے۔'' (مصنف عبدالرزاق: 1/200، حديث: 879، ابن أبي شيبه رقم الأثر: 1989، مختصرًا)

مذکورہ بالا آثارِ صحابہ سے ثابت ہوا کہ اونی یا بالوں وغیرہ سے بنی ہوئی جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے۔

آثارِ تابعین

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «وَمِمَّنْ قَالَ بِالْمَسْحِ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ جَمَاعَةٌ مِنَ السَّلَفِ» ''جرابوں پر مسح کے جواز کی قائل سلف صالحین کی ایک جماعت ہے۔'' (محلیٰ ابن حزم: 2/84)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے بشرطیکہ ان کو پہن کر چل سکتا ہو، خواہ وہ چمڑے کی بنی ہوئی ہوں یا کسی اور چیز کی۔'' (مجموع الفتاویٰ: 21/213-215)



المختصر جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلا اختلاف جرابوں پر مسح کے قائل و فاعل تھے اسی طرح تابعین کی ایک جماعت بھی اس کے جواز کی قائل رہی ہے۔ ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

① قتادہ ② عطاء ③ ابراہیم نخعی ④ حسن بصری ⑤ سعید بن مسیب ⑥ ابن جریج ⑦ فضل بن وکیع ⑧ اعمش ⑨ خلاص ⑩ سعید بن جبیر ⑪ نافع ⑫ سفیان ثوری ⑬ ابوثور۔

عباد بن راشد کہتے ہیں: میں نے نافع سے جرابوں پر مسح کے متعلق پوچھا تو انھوں نے جواب دیا: «هُمَا بِمَنْزِلَةِ الْخُفَّيْنِ» ''جرابیں بمنزلہ خفین ہیں۔''

امام عطا فرماتے ہیں: «اَلْمَسْحُ عَلَى الْجَوْرَبَيْنَ بِمَنْزِلَةِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ» ''جرابوں پر مسح کرنا چمڑے کے موزوں پر مسح کرنے کی طرح ہے۔''

(دیگر آثار اور مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: مصنف عبدالرزاق: 1/190، مصنف ابن أبي شيبه: 1/171/ 173، محلی ابن حزم: 2/84-86، إعلام الموقعين: 1/75)

علامہ کاسانی کا دعوائے اجماع

جبکہ اس کے برعکس علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں: «فَإِنْ كَانَا يَشِفَّانِ الْمَاءَ لَايَجُوزُ الْمَسْحُ عَلَيْهِمَا بِالْإِجْمَاعِ» ''اگر جرابیں اس قدر پتلی ہوں کہ ان میں پانی سرایت کرتا ہو تو بالاجماع ان پر مسح جائز نہیں۔'' (بدائع الصنائع: 1/10)

محدث العصر شیخ البانی رحمہ اللہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں: ''اگر اجماع سے ان کی مراد ائمۂ سلف و خلف کا اجماع ہے تو یہ باطل ہے، کیونکہ امام نووی رحمہ اللہ نے شرح المہذب میں امیر المومنین حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما اور امام اسحاق بن راہویہ اور داود ظاہری سے باریک جرابوں پر مسح کا جواز نقل کیا ہے، بلکہ ان کے بقول امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہ اللہ سے بھی اس کا جواز منقول ہے، نیز یہی موقف امام ابن حزم رحمہ اللہ کا بھی ہے، اس لیے دعوائے اجماع کیسے صحیح ہو سکتا ہے، ہاں اگر ان کی مراد علمائے احناف کا اجماع ہے تو تسلیم کیا جا سکتا ہے لیکن صاحبین کے حوالے سے مذکورہ بالا تصریح اس بات کی بھی تردید کرتی ہے۔ بہرحال یہ بات واضح ہوگئی کہ اس مسئلے میں کوئی اجماع نہیں ہے۔'' (دیکھیے (حاشیہ المسح علی الجوربین، ص: 67)

علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں: «ثُمَّ الْمَسْحُ عَلَى الْجُرَابِ، كَانَ إِذَالَمْ يَكُنْ مُنَعَّلًا وَكَانَ رَقِيقًا غَيْرُ جَائِزٍ اِتِّفَاقًا» ''پتلی جرابوں پر مسح جبکہ ان کے نیچے اور اوپر چمڑا لگا ہوا نہ ہو، بالاتفاق ناجائز ہے۔'' (البحر الرائق: 1/182)

لیکن مذکورہ بالا تصریح اور بالخصوص حضرت عمر اور حضرت علی کے حوالے سے امام نووی رحمہ اللہ کے نقل کردہ آثار کی روشنی میں یہ اجماع بالکل بے بنیاد ٹھہرتا ہے۔

مروجہ جرابوں پر مسح کا جواز اور دعوائے اجماع کا ابطال

مرفوع روایات کے عموم سے یہی اخذ ہوتا ہے کہ جرابیں خواہ پتلی ہی کیوں نہ ہوں ان پر مسح کرنا جائز ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جرابوں پر مسح کے جواز کے جو قائل ہیں اگرچہ وہ باریک ہی کیوں نہ ہوں، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں۔''

نیز فرماتے ہیں: ''صحیح بلکہ درست بات وہی ہے جو قاضی ابو طیب قفال اور محققین کی مختلف جماعتوں نے کہی ہے کہ اگر جرابیں پہن کر مسلسل چلنا ممکن ہو تو ان پر مسح کرنا جائز ہے، وہ جرابیں کیسی بھی ہوں وگرنہ نہیں۔'' (شرح المهذب: 1/526-527)

کیونکہ اگر پاؤں پر نہ ٹکیں اور چلنے سے خود بخود اتر جائیں تو یقیناً جس مقصد کی خاطر انھیں پہنا جاتا ہے وہ حاصل نہیں ہوتا، نیز اس وقت اس پر جَوْرَب اور لِفَافَةُ الرِّجْلِ کا اطلاق بھی مشکل ہے۔ جبکہ مروجہ جرابیں تو اس قدر مضبوط ہوتی ہیں کہ میلوں تک کے سفر کے بعد بھی خود بخود پاؤں سے نہیں اترتیں۔

نیز فرماتے ہیں: ''ہمارے اصحاب (شوافع) نے حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے جرابوں پر مسح کا جواز نقل کیا ہے، خواہ جرابیں پتلی ہی کیوں نہ ہوں۔ اور یہی بات امام ابو یوسف، محمد، اسحاق اور امام داود ظاہری سے بھی نقل کی ہے۔'' (شرح المهذب: 1/527)

قاری شبیر احمد عثمانی

سانحہ راولپنڈی

اے پیارے بھیا! گئے تھے پڑھنے، سفید کرتا تھا، سرخ کیوں ہے؟

ماہ محرم الحرام کی آمد سے قبل ہر سال وفاقی، صوبائی حکومتیں، مقامی انتظامیہ وطن عزیز میں عشرۂ محرم الحرام میں امن وامان کو قائم رکھنے اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے ہر سطح پر مخلصانہ کوششیں کرتی ہیں۔ ان دنوں ایک مخصوص مسلک کے پیروکاروں کو حکومتی سرپرستی، سیکورٹی اور تحفظ فراہم کیا جاتا ہے اور پورے ملک کو مفلوج کر کے تمام تر مشینری کو ماتمی حضرات کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

اس سال یوم عاشورہ کو وطن عزیز میں امن وامان کو برقرار رکھنے کے لیے حکومت کے بہترین انتظامات اور اقدامات کے باوجود راولپنڈی کے راجہ بازار میں واقع دارالعلوم تعلیم القرآن، جو شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ کا قائم کردہ دینی ادارہ ہے جس کی بنیاد قیام پاکستان سے پہلے رکھی گئی تھی، پر ماتمی جلوس میں موجود مسلح شرپسند دہشتگردوں نے دھاوا بول کر بے گناہ معصوم طلباء کو ذبح کیا، بے گناہ نمازیوں کو بے دردی سے شہید کیا اور بعدازاں مسجد ومدرسہ کو نذر آتش کردیا۔ اسی طرح مدینہ مارکیٹ کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنادیا گیا جس سے یقیناً تاجروں کا اربوں روپے کا نقصان ہوا، اس غمناک واقعے کے بعد ہزاروں لوگ کروڑ پتی سے ککھ پتی بن گئے۔

اس موقع پر بعض ذمہ دار پولیس افسران فرار ہو گئے اور کچھ تماشا دیکھتے رہے۔ چند پولیس والوں سے جلوس کے شرکاء نے اسلحہ چھین کر بے گناہوں کو نشانہ بنایا اور سرکاری گاڑیوں کو استعمال میں لا کر اپنی آتش انتقام سے اپنے کلیجوں کو خوب ٹھنڈا کیا جو ہلاکو خان، ہٹلر اور چنگیز جیسے ظالموں کی یاد تازہ کرگیا۔ شرپسند دہشت گردوں نے کربلا کا خونی منظر پیش کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ حسینی ہمیشہ بے گناہ مارے جاتے ہیں اور مظلوم ہوتے ہیں جبکہ ظالم ہمیشہ ظالموں جیسا سلوک کرتے ہیں۔

جس طرح اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم نے واقعہ کربلا پر صبر کیا اسی طرح اہل سنت والجماعت نے بھی اس صدمہ پر صبر کا مظاہرہ کیا۔

وطن عزیز کا ہر فرد الیکٹرونک اور پرنٹ میڈیا دیکھتا ہے کہ کسی بھی دہشت گردی کا چھوٹا سا واقعہ ہو یا بڑا میڈیا اس کو خوب اچھالتا ہے۔ کئی کئی دنوں تک تبصرے، تجزیے ہوتے ہیں۔ دہشت گردی اور انتہاء پسندی کی مذمت ہوتی ہے۔ دہشت گردی کا شکار ہونے والے بے گناہوں کو معاوضے دینے کے مطالبات اور دہشتگردوں کو کیفر کردار تک پہنچانے جیسے مطالبات ہوتے ہیں۔ حکومتی شخصیات اس پر اپنے رنج وغم اور غصے کا اظہار کرتے ہوئے دہشت گردوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے جیسے بیانات دیتے ہیں اور متاثرین کی مالی امداد کی جاتی ہے۔ اعلیٰ عدلیہ بھی ان میں سے اکثر واقعات، سانحات کا ازخود نوٹس لے کر بے گناہ لوگوں کے ساتھ ہمدردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کو حوصلہ دیتی ہے۔

مگر یہاں ایسا کیوں نہ ہوا......؟ کیا یہ انسان نہیں تھے......؟ کیا یہ پاکستانی شہری نہیں تھے......؟ کیا یہ باغی تھے......؟ کیا یہ چور ڈاکو تھے......؟ کیا یہ تعلیم حاصل کرنے والے نہیں تھے......؟ آخر ان کا جرم کیا تھا......؟ ان کو بے دردی سے قتل کیوں کیا گیا......؟ مسجد و مدرسہ، قرآن مجید اور احادیث کے ہزاروں نسخوں کو شہید کیوں کیا گیا......؟ طالبان کے نام سے اگر کسی کے گلے کاٹے جاتے ہیں تو ظلم ہے۔ ہم ہمیشہ ان واقعات کی مذمت کرتے ہیں میڈیا، انتظامیہ بھی مذمت کرتے ہیں مگر یہاں بے گناہ معصوم طلباء کے گلے کاٹے گئے...... یہاں میڈیا کی پراسرار خاموشی......انتظامیہ کی خاموشی......سول سوسائٹی، سیاسی ومذہبی جماعتوں کے لیڈران وقائدین کی



خاموشی بھی المیہ سے خالی نہیں ہے ......بلکہ سوالیہ نشان ہے ......آخر ان کی زبانیں گنگ کیوں ہوگئی ہیں......؟ ان کے قتل پر دہشت گردوں کے خلاف بولنے سے کون سی چیزیں مانع ہیں......؟ کیا مجبوریاں ہیں ......؟ خدارا ......!ملک بچانے کے لیے سنجیدہ اقدامات کیے جائیں۔ایسے دہشت گردوں کے مکروہ چہرے خفیہ کیمروں اور فوٹیجز کے ذریعے بے نقاب ہو چکے ہیں۔ اگر ان کو قانون کے مطابق سزا نہ دی گئی تو اللہ معاف کرے گا اور نہ ہی قوم......!

وفاقی وزیر داخلہ چوہدری نثار علی خان، وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف نے اس سانحہ پر علمائے کرام، مذہبی حلقوں اور اس سانحہ سے متاثرہ افراد ،شہداء کے لواحقین اور عوام کو یقین دلایا ہے کہ مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا، جس کے لیے سانحہ راولپنڈی کی جوڈیشنل انکوائری کروائی جارہی ہے۔ توقع ہے کہ ان شاء اللہ مذکورہ شخصیات کی کاوشوں سے مجرم اپنے منطقی انجام کو پہنچ کر رہیں گے، چنانچہ اس سانحہ کی عدالتی تحقیقات آنے والے دنوں میں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ اس لیے عدالتی کمیشن کو سانحہ راولپنڈی میں ملوث افراد تک رسائی کے ساتھ ساتھ اس خوفناک دہشتگردی کے پس پردہ عوامل، اسباب، محرکات کا کھوج بھی خود لگانا ہوگا۔ ذرائع ابلاغ میں پیش کردہ رپورٹوں کے مطابق سانحہ میں پولیس اہلکاروں کی پشت پر کون سے بااثر ذرائع کارفرما تھے، کیونکہ کسی طاقتور پشت پناہی کے بغیر پولیس اہلکاروں کا محض مسلکی تعصب کی بنا پر بڑے اقدام میں ملوث ہونا بجائے خود سوالیہ نشان اور محکمہ پولیس پنجاب کی نااہلی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ وزیر اعلیٰ پنجاب اور آئی جی پنجاب بھی اس کا ایکشن لیں۔اور وطن عزیز کو فرقہ واریت کے ناسور، انتہاء پسندی، مذہب کے نام پر اجارہ داری اور معاشرے سے ایک فرقہ کے تسلط کا تاثر فراہم کرنے والے مذہبی جلوسوں کا مسئلہ اب ہمیشہ کے لیے حل کرنا چاہیے۔ چونکہ وطن عزیز مزید ایسے سانحات کا ہرگز ہرگز متحمل نہیں ہے۔اس لیے تمام مسالک کو ہر قسم کی مذہبی عبادات اپنی اپنی عبادت گاہوں تک محدود کرنے کا پابند کیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ حکومت ہر قسم کے جلسے وجلوس اور مظاہرے کرنے کا شوق رکھنے والوں کے لیے ہر ضلعی مقام پر پارک مہیا کرے تاکہ دوسرے لوگوں کو پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے اور روح فرسا واقعات کے رونما ہونے سے بھی بچا جاسکے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ شیعہ سنی تنازعات حل کروانے کے لیے بڑے بڑے عمائدین کو ایک میز پر بٹھائے یا سپریم کورٹ میں اس مسئلہ کو لائے تاکہ ہمیشہ کے لیے اختلافی مسائل حل ہوں جس سے سنی شیعہ اپنی اپنی عبادات کو پر امن طریقے سے انجام دیں۔ چونکہ عالم کفر نہیں چاہتا کہ مختلف مکاتب فکر کے لوگ پُرامن طور پر رہیں۔ وہ مذہبی اختلافات کو غلط رنگ دے کر مذہبی انتشار پھیلانے کے لیے ہر حربہ استعمال کرتے ہیں۔ پاکستان میں ان کے ایجنٹ قادیانی ان حالات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر وطن عزیز میں مذہبی منافرت پھیلانے اور عدم استحکام پیدا کرنے کے لیے اپنے تمام تر وسائل بروئے کار لاتے ہیں۔اس لیے قادیانی گروہ پر کڑی نظر رکھی جائے بلکہ ان کی اعلیٰ قیادت کو شامل تفتیش کیا جائے تو بہت ساری سازشوں کو بے نقاب کیا جاسکتا ہے۔

اس عظیم سانحہ کے رونما ہونے کے بعد تمام مکاتب فکر کی سیاسی و مذہبی جماعتوں اور ان کے قائدین پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مل بیٹھ کر مشترکہ لائحہ عمل تیار کریں جس سے مذہبی ہم آہنگی قائم کی جاسکے اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام، صحابہ کرام اور اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کی شان اقدس میں گستاخیاں کرنے والوں کے لیے سخت ترین قانون پاس کرائیں تاکہ کسی بھی بدبخت کو آئندہ گستاخی کی جرأت نہ ہو۔ اس سلسلہ میں حکومت کو چاہیے کہ وہ بھی ہنگامی بنیادوں پر کام شروع کردے تاکہ آئندہ بولٹن مارکیٹ کراچی اور سانحہ راولپنڈی جیسے سانحات رونما نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ وطن عزیز کو صبح قیامت تک قائم و دائم رکھے اور ہر قسم کے سیاسی و مذہبی خلفشار، تخریب کاری، دہشت گردی سے محفوظ رکھے،آمین۔

اُجاڑ رستے، عجیب منظر، ویران گلیاں، بازار بند ہیں
کہاں کی خوشیاں، یہ کیسی عیدیں؟ شہر تو میرا لہو لہو ہے
وہ روتی مائیں، بیہوش بہنیں، لپٹ کے لاشوں سے کہہ رہی ہیں
اے پیارے بھیا! گئے تھے پڑھنے، سفید کرتا تھا، سرخ کیوں ہے؟

امن بہت بڑی نعمت اور بدامنی بہت بڑا عذاب

محمد ایوب سپرا (کراچی)

امن اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت اور بدامنی بہت بڑا عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں امن کا خاص طور پر ذکر کرتے ہوئے اس کے حصول کا طریقہ بھی بیان فرما دیا ہے: ﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَ ھُمْ مُّھْتَدُوْنَ﴾ ”جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ آلودہ نہیں کیا انھی کے لیے امن ہے اور وہی راہِ راست پر چل رہے ہیں۔“ (الأنعام6:82)

آیت کریمہ میں امن کی ضمانت جن چیزوں میں رکھی گئی ہے، ان میں ایمان لانا، اور اپنے ایمان کو ظلم سے محفوظ رکھنا ہے۔ بعض مفسرین نے ظلم سے مراد شرک لیا ہے، یہ درست لیکن اس کے ساتھ ساتھ انسانیت کی تکریم بھی لازم ہے۔ اگر انسان کی جان مال عزت آبرو محفوظ نہ ہو تو انسان ہر طرح کی بے راہ روی کا شکار ہو سکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ پر احسان جتلاتے ہوئے فرمایا، حالانکہ وہ بدترین شرک میں مبتلا تھے: ﴿اَلَّذِیْٓ اَطْعَمَھُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَھُمْ مِّنْ خَوْفٍ﴾ ”جس نے انھیں بھوک میں کھانا دیا اور خوف میں امن (وامان) دیا۔“ (قریش106:4)

ہم ہر نماز کے بعد سب سے پہلے جس دُعا کا ذکر کرتے ہیں وہ امن اور سلامتی کی دعاؤں پر مشتمل ہے۔ «اَللّٰھُمَّ! اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ، تَبَارَكْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ» ”یا اللہ! تو سلامتی والا ہے، سلامتی تجھی سے حاصل ہو سکتی ہے، اے بزرگی اور بخشش کے مالک! تیری ذات بڑی بابرکت ہے۔“ (صحیح مسلم: 592)

اسی طرح احادیث میں بھی امن کی اہمیت اور بدامنی کا ذکر ملتا ہے۔ خطۂ عرب میں جب اسلام آیا تو اس وقت پورا علاقہ بدترین بدامنی کا شکار تھا لیکن اسلام نے امن کی ایسی ضمانت فراہم کی جس کی مثال دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مدینہ منورہ ہجرت کر جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے محض دس سال میں اسلامی حکومت قائم کر دی اور پورا عرب امن کا گہوارہ بن گیا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بدامنی کی شکایت کی گئی تو آپ نے حضرت عدی رضی اللہ عنہ کو پیش گوئی کرتے ہوئے فرمایا: ”اے عدی! اگر اللہ تعالیٰ نے تمھیں زیادہ عمر دی تو تم دیکھو گے کہ حیرہ سے ایک عورت اکیلی اُونٹ پر سوار ہو کر مکہ جائے گی، خانہ کعبہ کا طواف کرے گی اور واپس حیرہ چلی جائے گی لیکن اس کے دل میں اللہ کے خوف کے علاوہ کسی چیز کا خوف نہیں ہو گا۔“ (صحیح البخاري: 3595) حضرت عدی فرماتے ہیں کہ میں سوچتا رہا کہ



اس وقت حیرہ کے ڈاکو کہاں چلے جائیں گے۔

بہر حال وقت گزرتا رہا اور میں نے زیادہ عمر پائی۔ ایک روز خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ میں نے دیکھا، ایک عورت اُونٹ پر سوار طواف کر رہی ہے۔ میں اس سے مخاطب ہوا اور پوچھا کہ تم کہاں سے آئی ہو، اس نے جواب دیا کہ میں حیرہ سے آئی ہوں۔ میں نے پوچھا کہ حیرہ سے کیسے آئی؟ وہاں کے ڈاکو کہاں گئے؟ اس عورت نے جواب دیا کہ وہ سب اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے اور اب وہ ہماری جانوں کے محافظ ہیں۔ یہ محض اسلام کی برکت کا نتیجہ تھا۔

یوں تو وطن عزیز کبھی بھی امن کا گہوارہ نہ بن سکا، تاہم موجودہ دور میں بدامنی جس عروج پر پہنچ گئی ہے اس سے نہ صرف عام آدمی پریشان بلکہ حکومت بھی مضطرب نظر آتی ہے۔ اپنی تمام تر کوششوں اور حکمت عملی کے باوجود بدامنی، دہشت گردی اور معاشی و معاشرتی صورتحال انتہائی تشویش ناک ہے۔ صورتحال اس قدر گھمبیر ہو چکی ہے کہ ملک دشمن عناصر کا ایک معمولی سا گروہ حکومت کو ملک توڑنے کی دھمکی دے کر اپنے تمام جرائم پر پردہ ڈالنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ ملک کی اکثر سیاسی، لسانی، علاقائی اور دینی جماعتوں نے اپنے اپنے عسکری ونگز بنائے ہوئے ہیں جو ضرورت پڑنے پر پورے شہر کو یرغمال بنا لیتے ہیں۔ یوں بدامنی کا ایسا ماحول پیدا ہوتا ہے کہ معاشی و معاشرتی سرگرمیاں ختم ہو کر رہ جاتی ہیں۔

اس تشویش کا اظہار عام آدمی سے لے کر حکومت کے اعلیٰ عہدیداران تک، سیاستدانوں سے لے کر مذہبی رہنماؤں تک سبھی کرتے ہیں لیکن حالات دگرگوں ہی ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اس کی تین بڑی وجوہات ہیں:

① اسلامی نظام عدل کا فقدان

وطن عزیز جو اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا، اس میں اسلامی نظام عدل نافذ نہ ہو سکا۔ ہر دور کے حکمران اور سیاستدان محض اپنے مفاد کی خاطر جمہوریت کا راگ الاپتے رہے لیکن چونکہ اس نظام حکومت کا دین اسلام اور ہماری معاشرتی روایات سے کوئی تعلق نہیں، اس لیے تمام تر کوششوں کے باوجود ملک کے حالات دگرگوں ہی ہوتے جا رہے ہیں۔ بعض مذہبی جماعتیں اسلام کے نام پر اپنی سیاسی دکان چمکاتی نظر آتی ہیں لیکن آگے بڑھ کر کوئی لائحہ عمل تیار کر کے نہ تو عوام کے سامنے رکھتی ہیں اور نہ ہی اس پر عمل کرتے ہوئے حکومت تک پہنچنے کی جستجو کرتی ہیں۔ حکومت حالات کو قابو میں رکھنے کے لیے دفعہ 144 نافذ کرتی ہے، کرفیو لگاتی ہے، موبائل سروس بند کرتی ہے۔ موٹر سائیکل پر ڈبل سواری پر پابندی عائد کرتی ہے، آپریشن کے نام پر پکڑ دھکڑ کرتی ہے لیکن قانون شکن بڑی آزادی کے ساتھ اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہناتے رہتے ہیں اور جرائم میں کوئی کمی نہیں آتی۔ حکومت ہاتھ ملتی رہ جاتی ہے۔ اس کا سبب صرف اور صرف اسلامی حدود کا نفاذ نہ ہونا ہے۔ اگر آج بھی اسلامی حدود کو نافذ کر دیا جائے تو قانون شکنی کا قلع قمع ہو سکتا ہے۔

② قانون پر یکساں عمل درآمد نہ ہونا

اگر عام آدمی جرم کرے تو قانون فوراً حرکت میں آ جاتا ہے لیکن اگر کوئی بااثر شخصیت، ادارہ یا کارپوریشن قانون شکنی کرتی ہے تو اولاً قانون حرکت میں ہی نہیں آتا اور اگر حرکت میں آ بھی جائے تو قانون میں اس قدر کمزوریاں ہیں کہ عدالتیں فیصلہ ہی نہیں کر پاتیں۔ اگر فیصلہ ہو بھی جائے تو قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے اس پر عمل درآمد کی نوبت نہیں آتی۔ گویا بنی اسرائیل والا معاملہ چل رہا ہے جنھوں نے یہ طرز عمل اپنا لیا تھا کہ اگر کوئی بڑا آدمی جرم کرتا تھا تو اسے بہانے بہانے سے معاف کر دیا جاتا تھا اور اگر کوئی عام آدمی وہی جرم کرتا تو اسے سخت سزا دی جاتی جبکہ اسلام میں قانون سب کے لیے یکساں ہے۔ اور انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بہت معروف ہے: ''اگر میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔'' (صحیح البخاري: 6788) یہ بتا رہا ہے کہ ملک میں قانون اور اس پر عمل درآمد سب کے لیے یکساں ہونا چاہیے۔ موجودہ دور میں سپریم کورٹ اپنے آپ کو بڑی طاقتور، آئین اور قانون کی محافظ سمجھتی ہے لیکن عملاً گزشتہ کئی سالوں سے کسی ایک مقدمے کا فیصلہ بھی نہ تو میرٹ پر کیا جا سکا اور اگر فیصلہ ہو بھی گیا تو عمل درآمد نہ کرا سکی، جبکہ ان مقدمات پر حکومت کا لاکھوں روپیہ خرچ

ہوتا رہتا ہے۔ ملک کا کثیر سرمایہ خرچ کر کے بھی نہ تو ملک کی لوٹی ہوئی دولت واپس لائی جا سکی اور نہ ہی کرپشن میں ملوث کسی مجرم کو سزا دلا سکی۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ کرپشن کا گراف روز بروز اوپر سے اوپر ہی جا رہا ہے۔

③ سزا پر عمل درآمد نہ ہونا

اولاً تو قانون میں کمزوریوں کی وجہ سے مجرم سزا سے بچ جاتا ہے۔ رشوت اور وکلاء انصاف کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں اور اگر سزا ہو بھی جائے تو مختلف بہانوں سے سزا میں اس قدر تخفیف ہو جاتی ہے کہ قانون شکن تھوڑے ہی عرصہ میں پھر آزاد ہوتا ہے اور پہلے سے بڑھ کر جرائم میں ملوث ہو جاتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال یہ ہے کہ پاکستانی جیلوں میں ہزاروں قیدی ایسے ہیں جنھیں سزائے موت کا فیصلہ سنایا جا چکا ہے لیکن صدر مملکت نے اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے سزائے موت پر عمل درآمد موقوف کیا ہوا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایسے انتہائی خطرناک قیدی، جنھیں سزائے موت کا فیصلہ سنایا جا چکا ہے، عمل درآمد نہ ہونے کی وجہ سے سالہا سال سے کال کوٹھریوں میں بند پڑے ہیں اور حکومت ان پر ہزاروں لاکھوں روپے خرچ کر رہی ہے۔ نہ تو عدالتیں سزا پر عمل درآمد کراتی ہیں اور نہ ہی حکومت ان کی قسمت کا فیصلہ کرتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جرائم بڑھتے ہی چلے جا رہے ہیں کیونکہ قانون شکنی کرنے والوں کو یہ یقین ہوتا ہے کہ اگر سزا ہو بھی گئی تو کون سا اس پر عمل درآمد ہو جانا ہے۔

بدامنی، لاقانونیت عروج کو پہنچ گئی۔ اسٹریٹ کرائم اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ شہری گھر سے باہر نکلتے ہوئے خوف کھاتے ہیں۔ غربت، جہالت اور بیروزگاری جرائم پیشہ افراد کی حوصلہ افزائی میں اہم کردار ادا کر رہی ہے۔

آخر ان مسائل کا حل کیا ہے؟ ان مسائل کا حل بھی ان تین اعمال میں ہے:

① فوری طور پر اسلامی حدود کا نفاذ کیا جائے اور ان پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے۔ جب تک عمل کی راہ نہیں اپنائی جائے گی، عوام باتیں بناتے رہیں گے اور بے یقینی کی کیفیت میں رہیں گے۔ دینی جماعتوں پر اس بات کا الزام نہ لگایا جائے کہ بعض فرقے بعض سزاؤں پر عمل درآمد میں مختلف نکتہ نظر رکھتے ہیں۔ حکومت اللہ کا نام لے کر اسلامی حدود نافذ کر دے، ان شاء اللہ جرائم پیشہ افراد دنوں میں ختم ہو جائیں گے۔

② انتظامی امور پر ماہر، تعلیم یافتہ، باہمت، باکردار اور تجربہ کار لوگوں کو متعین کیا جائے جو قانون پر خود بھی عمل کریں اور دوسروں سے بھی عمل درآمد کرا سکیں۔ ایسے تمام لوگوں کو ہمیشہ کے لیے ملازمتوں سے نکال دیا جائے جو کرپشن، دھوکہ دہی، رشوت ستانی اور دیگر سنگین جرائم میں ملوث رہے ہوں۔ ایسے لوگ نہیں چاہیں گے کہ ملک میں ایسا نظام نافذ ہو۔

③ شہری سہولتیں یکساں طور پر تمام شہریوں تک پہنچائی جائیں۔ امیر غریب بستیوں کی تفریق ختم کی جائے۔ قانون نافذ کرنے والے ملازمین پر کڑی نظر رکھی جائے۔

مثالی خواتین کے مثالی واقعات



طارق جاوید عارفی
ریسرچ فیلو دارالسلام

نومبر کا ''ضیائے حدیث'' غیر معمولی طور پر تاخیر کا شکار ہونے کی وجہ سے یہ خیال گزرا کہ شاید موجودہ شمارہ دوماہی ہوگا اور اس دفعہ مضمون لکھنے سے خلاصی مل جائے گی۔ ہم اسی خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ 19 نومبر کی دوپہر اچانک ایڈیٹر ضیائے حدیث محترم نعمان فاروقی صاحب کا فون آ گیا کہ اگلے شمارے کے لیے مضمون دے دیں۔ سابقہ شمارہ پہلے ہی لیٹ ہو چکا ہے، لہٰذا اگلا شمارہ ہم لیٹ نہیں کرنا چاہتے، اس لیے آپ اول فرصت میں اپنا مضمون عنایت فرمادیں۔ اس اچانک حکم پر ایک دفعہ تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، اوسان بحال ہوئے تو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اس انتہائی مختصر وقت میں کس موضوع پر خامہ فرسائی کی جائے؟ مضمون لکھنا اتنا آسان تو نہیں ہے ناں۔ آخر اس کے لیے دسیوں کتابوں کو کھنگالنا پڑتا ہے اور بیسیوں اوراق کی ورق گردانی کرنی پڑتی ہے۔ موضوع کی تلاش شروع ہوئی۔ مختلف کتب کی ورق گردانی کرتے کرتے کئی ایک موضوع ذہن میں آئے لیکن وہ طویل اور کھلے وقت کے متقاضی تھے، اس لیے ان سے صرف نظر کر دیا۔ موضوع کی تلاش بدستور جاری تھی کہ اچانک ایک کتاب میں قرآن کی اس آیت پر نظر رک گئی: ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ﴾ ''اور تمھارے گھروں میں جو اللہ کی آیات اور حکمت کی باتیں (احادیث) پڑھی جاتی ہیں، ان کو یاد کرتی رہو۔'' (الأحزاب 33:34)

یہ حکم الٰہی خصوصی طور پر ہماری ماؤں (امہات المومنین) سے متعلق ہے اور عمومی لحاظ سے یہ تاکید تمام خواتین اسلام کے لیے ہے۔ اس حکم الٰہی پر عمل درآمد کی وجہ سے امہات المومنین، صحابیات اور دیگر اسلاف خواتین کی زندگیاں مثالی زندگیاں بن گئیں۔ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری اور دین اسلام سے والہانہ محبت کے جو انمٹ نقوش اپنی سیرتوں میں چھوڑے ہیں، وہ یقیناً دورِ حاضر کی خواتین کے لیے مشعل راہ ہیں۔ ان کے ایمان افروز اور سبق آموز واقعات پڑھ کر موجودہ خواتین بہتر انداز میں اپنا قبلہ درست کر سکتی ہیں، تو سوچا کیوں نا انھی مثالی خواتین کے مثالی واقعات کو موضوعِ قلم بنایا جائے۔ اس طرح مذکورہ آیت کریمہ نے یہ مشکل حل کر دی اور معمولی سی محنت کے بعد مضمون تیار ہو گیا۔ وللہ الحمد

اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ کے متعلق میں کسی سے مشورہ کروں؟

فتوحات کے سلسلے میں جب مسلمانوں کی حالت خاصی بہتر ہوگئی تو انصار ومہاجرین کی عورتوں کو دیکھ کر امہات المومنین نے بھی نان و نفقہ میں اضافے کا مطالبہ کر دیا۔ نبی کریم ﷺ چونکہ نہایت سادگی پسند تھے، اس لیے ازواج مطہرات کے اس فیصلے پر سخت کبیدہ خاطر ہوئے اور ایک مہینے کے لیے بیویوں سے علیحدگی اختیار کر لی۔ پھر جب آیاتِ اختیار (الأحزاب 29,28:33) نازل ہوئیں جن میں ازواجِ مطہرات کو اختیار دیا گیا کہ وہ دنیوی سازوسامان یا اللہ، اس کے رسول اور دارِ آخرت میں سے ایک کا انتخاب کر لیں تو آپ ﷺ سب سے پہلے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور ان سے کہا: ''عائشہ! میں تمھارے سامنے ایک معاملہ پیش کر رہا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے والدین سے مشورہ کر لینے تک اس میں جلدی نہ کرو۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ کے رسول! وہ کیا معاملہ ہے؟ آپ ﷺ نے ان کے سامنے سورۂ احزاب کی آیات 29,28 تلاوت کیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس موقع پر بڑا ایمان افروز جواب دیا۔ وہ کہنے لگیں: ''یارسول اللہ! کیا میں آپ ﷺ کے بارے میں اپنے والدین سے مشورہ کروں گی! بلکہ میں تو اللہ، اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو پسند کرتی ہوں۔'' دیگر امہات المومنین نے بھی یہی جواب دیا۔ (صحیح مسلم: 1478)

انسان کا سب سے قریبی تعلق اس کے والدین سے ہوتا ہے۔ والدین کا حکم ماننے اور ان کی خدمت کرنے کی قرآن مجید نے بار بار تاکید کی ہے، لیکن والدین کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے تابع ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ تاریخی جواب ہماری اسی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے معاملے میں والدین کی اطاعت تو کجا، ان سے مشورہ کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت تمھارے لیے بہتر ہے

سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا جلیل القدر صحابیہ ہیں۔ 10 ہجری میں ان کے شوہر ابوعمرو رضی اللہ عنہ نے انھیں تیسری طلاق بھی دے دی۔ نبی کریم ﷺ نے انھیں سیدنا ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے ہاں عدت گزارنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ مجھ سے مشورہ کیے بغیر اپنی شادی کا فیصلہ نہ کرنا۔ جب ان کی عدت گزر گئی تو وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بتایا کہ دو آدمیوں نے مجھے شادی کا پیغام بھیجا ہے۔ ایک سیدنا معاویہ ہیں اور دوسرے ابوجہم ہیں۔ آپ ﷺ نے دونوں کا پیغام مسترد فرما دیا۔ پہلے شخص کا اس لیے کہ وہ مفلس اور فقیر ہے اور دوسرا تندمزاج اور عورتوں کو بہت مارنے والا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اسامہ بن زید سے شادی کر لو۔'' سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس پر ناگواری کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «طَاعَةُ اللّٰهِ وَطَاعَةُ رَسُولِهِ خَيْرٌ لَّكِ» ''اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت تمھارے لیے بہتر ہے۔'' یہ سن کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ سے شادی پر آمادگی کا اظہار کر دیا اور ان سے شادی کر لی۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا صلہ یہ ملا کہ ان کی زندگی قابل رشک بن گئی۔ خود فرماتی ہیں کہ میں نے اسامہ رضی اللہ عنہ سے شادی کر لی (تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس قدر باہمی پیار محبت اور خیروبرکات سے نوازا) کہ لوگ ہم پر رشک کرنے لگے۔ (صحیح مسلم: 1480)

خاوندوں کی نافرمانی سے بچو

سیدہ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا انصاری صحابیہ ہیں۔ ہجرت کے بعد دائرۂ اسلام میں داخل ہوئیں۔ ان کا تعلق قبیلہ بنوعبدالاشہل سے تھا۔ دینی احکام و مسائل میں گہری دلچسپی رکھتی تھیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک روز ہم چند خواتین بیٹھی ہوئی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس سے گزرے اور ہمیں سلام کہا، پھر فرمایا: ''(اے جماعتِ خواتین!) تم خوشحال طبقے کی ناشکری سے بچو!'' ہم نے عرض کی: اللہ کے رسول! خوشحال طبقے کی ناشکری سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی عورت خاوند کے بغیر لمبا عرصہ اپنے والدین کے گھر بیٹھی رہتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ اسے خاوند عطا فرما دیتا ہے اور مال و اولاد سے نواز دیتا ہے، چنانچہ وہ عورت کسی بات پر اپنے خاوند سے ناراض ہوتی ہے تو فوراً کہہ ڈالتی ہے: «مَارَأَيْتُ مِنْهُ يَوْمًا خَيْرًا قَطُّ» ''میں نے کبھی اس (خاوند) میں کوئی خیر و بھلائی نہیں



دیکھی۔ (اس طرح وہ اپنے خاوند کی ناشکری کی مرتکب ہوتی ہے۔)'' (مسند أحمد: 353,352/6)

اگر فتنے کا خوف نہ ہو تو مرد غیر محرم عورت کو اور عورت غیر محرم مرد کو سلام کہہ سکتی ہے۔ جوان عورت کا تنہا مرد کو یا مرد کا جوان عورت کو سلام کرنا فساد اور بگاڑ کا باعث بن سکتا ہے اس لیے اس سے اجتناب ضروری ہے۔

حقیقی صبر صدمے کے آغاز ہی میں ہوتا ہے

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک عورت کے پاس سے ہوا جو اپنے بیٹے کی وفات پر رو رہی تھی۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور صبر کرو۔'' وہ کہنے لگی: آپ کو میری مصیبت کی کیا پروا؟ جب آپ وہاں سے تشریف لے گئے تو کسی نے اسے بتایا کہ تمھیں یہ صبر کی تلقین کرنے والے رسول اللہ ﷺ تھے۔ یہ سن کر اس عورت پر موت جیسی کیفیت طاری ہوگئی اور وہ بھاگی بھاگی آپ کے گھر آئی اور عرض کرنے لگی: اللہ کے رسول! میں نے اس وقت آپ کو پہچانا نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''(حقیقی) صبر پہلے صدمے یا صدمے کے آغاز ہی میں ہوتا ہے۔'' (صحیح مسلم: 926)

عورتوں میں ہمت و حوصلے کی کمی ہوتی ہے، اس لیے معمولی سی تکلیف پر وہ بے صبری اور بڑی تکلیف پر جزع فزع کا مظاہرہ کرنے لگتی ہیں۔ اور جب دل کی بھڑاس نکال لیتی ہیں تو کہتی ہیں: اب ہم صبر کرتی ہیں۔ یہ صبر نہیں بلکہ بے صبری ہے۔ صبر یہ ہے کہ صدمے کے آغاز ہی سے خود پر ضبط رکھا جائے اور اللہ کی ناراضی کا کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالا جائے۔

جیسے پانچوں انگلیاں ایک جیسی نہیں ہوتیں، اسی طرح تمام خواتین بھی ایک جیسی نہیں ہیں۔ جہاں بے صبری کا مظاہرہ کرنے والی خواتین ہیں وہاں بڑی صابرہ شاکرہ خواتین بھی ہیں۔ ایسی خواتین جن پر غموں کے پہاڑ گرا دیے گئے لیکن انھوں نے صبر کیا اور اللہ کی ناراضی کا ایک جملہ بھی زبان سے ادا نہ کیا۔ انھی مثالی خواتین میں سے ایک نام سیدہ اسماء بنت عمیس کا ہے۔ یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں۔ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ جنگ مؤتہ میں شہید ہوگئے۔ ان کی وفات کے 6 ماہ بعد نبی کریم ﷺ نے ان کا نکاح سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کرا دیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حجۃ الوداع کے موقع پر ان کے بیٹے محمد بن ابوبکر پیدا ہوئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کر لی۔ اس وقت محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ تین سال کے تھے، چنانچہ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی آغوش تربیت میں پرورش پائی۔ 38 ہجری میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں مصر کا گورنر بنا کر بھیجا۔ باغیوں نے ان کا محاصرہ کر لیا اور انھیں قتل کر کے گدھے کی کھال میں ان کی لاش جلا ڈالی۔ ماں کے لیے اس سے زیادہ تکلیف دہ بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کے جگر گوشے کو بے دردی سے قتل کر کے جلا دیا جائے۔ لیکن یہ ماں کوئی عام ماں نہ تھی بلکہ بڑی جلیل القدر صحابیہ، جلیل القدر صحابہ کی اہلیہ اور جلیل الشان صحابہ کی ماں تھی۔ جب انھیں یہ خبر ملی تو وہ مسجد میں مصلے پر کھڑی ہوگئیں اور پوری قوت سے غصے کو پی گئیں، یہاں تک کہ (شدتِ غم سے) ان کے سینے سے خون بہنے لگا لیکن انھوں نے اللہ کی ناراضی کا ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالا۔ رضی اللہ عنہا (الإصابة: 231/4)

پیاری بیٹی! دوپٹا اپنے سینے پر ڈال لو

حارث بن حارث غامدی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اپنے والد کے ہمراہ مکہ مکرمہ گیا۔ دیکھا کہ لوگ اس شخص کے گرد جمع ہیں جسے وہ ''صابی'' یعنی نیا دین اختیار کرنے والا کہتے تھے۔ یہ رسول اللہ ﷺ تھے۔ آپ ﷺ لوگوں کو ایمان و توحید کی دعوت دے رہے تھے لیکن لوگ آپ کی بات کا انکار کر رہے تھے۔ وہ آپ کو ایذا دینے کے درپے تھے۔ یہ سلسلہ دوپہر تک جاری رہا۔ پھر لوگ منتشر ہونے لگے۔ اسی وقت ایک نوعمر خاتون آئی۔ ہنگامی صورتِ حال اور جلدی کی وجہ سے اس نے خود کو ڈھانپا ہوا نہیں تھا۔ یہ آپ ﷺ کی سب سے بڑی بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔ پانی کا بڑا پیالہ اور ایک رومال ان کے ہاتھ میں تھا۔ یہ چیزیں انھوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیں۔ آپ ﷺ نے پانی نوش فرمایا اور رومال سے ہاتھ منہ صاف کیا۔ اس کے بعد جب آپ ﷺ کی نظر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا پر پڑی تو ارشاد فرمایا: ''پیاری بیٹی! دوپٹا اپنے سینے پر ڈال لو اور ان حالات میں اپنے والد کے

بارے میں ہلاکت کا کوئی اندیشہ نہ کرو۔''

(المعجم الكبير للطبراني: 268/3)

معزز خواتین! اس واقعے پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور دیکھیں کہ سیدہ زینب ؓ ہنگامی حالات میں جلدی جلدی آئی ہیں اور نبی کریم ﷺ لوگوں کی تکلیف سے اذیت میں بتلا ہیں، پھر بھی آپ نے اپنی پیاری بیٹی کی بے پردگی کو پسند نہیں فرمایا اور فوراً انھیں گریبان ڈھانپنے کی تلقین کی ہے۔ اور ادھر عالم یہ ہے کہ امن وسکون کے عالم میں بھی دوپٹے گلے میں ڈالے ہوئے ہیں یا ویسے ہی انھیں خیر باد کہہ دیا گیا ہے تاکہ روشن خیالی پہ آنچ نہ آئے اور مغربی آقا خوش ہوجائیں۔ اب یہ فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ آپ نے اہل مغرب کو خوش کرنا ہے یا رب المغرب کو؟

اگر نبی ﷺ نے کہا ہے تو مجھے دیکھ لو

سیدنا مغیرہ بن شعبہ ؓ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں ایک عورت کو نکاح کا پیغام بھیجنے والا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جا کر اسے دیکھ لو، امید ہے تمھارے درمیان محبت پیدا ہوجائے گی۔'' سیدنا مغیرہ ؓ اس کے والدین کے پاس گئے، اس کا رشتہ طلب کیا اور ساتھ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد بھی سنایا۔ لڑکی کے والدین پر یہ بات گراں گزری کہ کوئی اجنبی مرد ان کی بیٹی کو دیکھے۔ انھوں نے اپنی گفتگو میں اس کا اظہار کیا۔ لڑکی پردے کے پیچھے چھپی ہوئی تھی۔ اس نے یہ گفتگو سن لی، چنانچہ وہ سیدنا مغیرہ ؓ کو مخاطب کرکے بولی: اگر واقعی تمھیں اللہ کے رسول نے دیکھنے کا حکم دیا ہے تو دیکھ لو ورنہ میں تمھیں قسم دیتی ہوں کہ جھوٹا بہانہ بنا کر مجھے نہ دیکھنا۔ لڑکی نے گویا اس بات کو بہت بڑا سمجھا۔ سنتے ہی اعتبار نہ آیا کہ نبی کریم ﷺ نے ایسا فرمایا ہوگا۔ سیدنا مغیرہ ؓ چونکہ سچ کہہ رہے تھے، اس لیے انھوں نے اس کو دیکھ لیا، پھر انھوں نے اس سے شادی کرلی۔ سیدنا مغیرہ ؓ فرماتے ہیں کہ میری اس سے شادی خوب رہی۔'' (سنن ابن ماجہ: 1866)

معزز خواتین غور کریں کہ صحابیات کے دل میں حدیث نبوی کا کس قدر احترام تھا۔ جب اس لڑکی کو پتا چلا کہ یہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے تو وہ فوراً راضی ہوگئی، حالانکہ طبعی طور پر یہ چیز اس کے لیے بڑی ناپسندیدہ تھی۔

خاوند پر صدقے کا دہرا اجر ہے

سیدہ زینب بنت ابومعاویہ ؓ جلیل القدر صحابیہ اور عظیم الشان صحابی سیدنا عبداللہ بن مسعود ؓ کی اہلیہ ہیں۔ سیدنا عبداللہ ؓ کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ وہ بہت تنگ دست تھے۔ سیدہ زینب ؓ دست کار تھیں۔ جو کچھ کماتی تھیں اپنے شوہر اور ان کی اولاد پر صرف کردیتی تھیں۔ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے خواتین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کرو اگرچہ اپنے زیورات ہی سے کیوں نہ ہو!'' یہ سن کر سیدہ زینب ؓ اپنے گھر آئیں اور اپنے شوہر سیدنا ابن مسعود ؓ سے کہنے لگیں: عبداللہ! تم کم مایہ آدمی ہو اور رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے، لہٰذا تم رسول اللہ ﷺ سے جا کر پوچھو کہ اگر میں یہ صدقہ تمھیں دے دوں تو میری طرف سے ادا ہوجائے گا ورنہ میں کسی اور کو دے دوں؟ سیدنا عبداللہ ؓ کو شرم آئی کہ وہ آپ ﷺ سے ایسا سوال پوچھیں۔ وہ اپنی بیوی سے کہنے لگے: تم خود ہی جا کر پوچھ لو۔ چنانچہ سیدہ زینب ؓ نبی کریم ﷺ کے گھر کی طرف چل دیں۔ آپ ﷺ کے دروازے پر پہنچیں تو ان کی ملاقات اپنی ہم نام خاتون سے ہوئی۔ حسن اتفاق کہ ہم نام ہونے کے ساتھ وہ ان کی ہم مسئلہ بھی تھیں، یعنی ان کا بھی وہی مسئلہ تھا جو سیدہ زینب بنت ابومعاویہ کا تھا۔ انھوں نے سیدنا بلال ؓ کے ذریعے نبی ﷺ سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ وہ اپنے خاوندوں اور اپنے زیر کفالت یتیم بچوں پر صدقہ کرسکتی ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ایسا کرنے سے ان کے لیے دہرا اجر ہے۔ ایک اجر قرابت نبھانے کا اور دوسرا صدقہ کرنے کا۔'' (صحیح مسلم: 1000)

اللہ! تو مجھے اس سے کافی ہوجا

معاذہ بنت عبداللہ عدویہ جلیل القدر تابعیہ ہیں۔ ابوقلابہ، قتادہ اور یزید رشک جیسے نامور تابعی ان کے شاگرد ہیں۔ بڑی عابدہ، زاہدہ اور پرہیزگار خاتون تھیں۔ وہ عظیم الشان تابعی ابوصہباء صلہ بن اشم کی اہلیہ تھیں۔ اپنے شوہر سے والہانہ محبت کرتی تھیں۔ جب ان کے



شوہر فوت ہوگئے تو ان کی وفات کے بعد مرنے تک بستر پر نہیں سوئیں۔ وہ شب زندہ دار خاتون تھیں۔ فرمایا کرتی تھیں: «عَجِبْتُ لِعَيْنٍ تَنَامُ وَقَدْ عَلِمَتْ طُولَ الرُّقَادِ فِي الْقُبُورِ» ''مجھے اس آنکھ پر تعجب ہے کہ جو جانتی ہے مجھے طویل عرصہ قبر میں سونا ہے، پھر بھی وہ سوتی رہتی ہے۔'' خدا خوفی اور للّٰہیت کا عالم یہ تھا کہ ایک دفعہ بیمار ہوگئیں۔ کسی نے نبیذ الجر (گھڑے کی نبیذ) بطور علاج پینے کی پیشکش کی۔ گھڑے کی نبیذ عام طور پر نشہ آور ہوجاتی ہے، اس لیے نبی کریم ﷺ نے اسے پینے سے منع فرمایا ہے۔ جب گھڑے کی نبیذ کا پیالہ انھیں پیش کیا گیا تو فرمانے لگیں: «اَللّٰهُمَّ! إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ عَائِشَةَ حَدَّثَتْنِي أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْ نَبِيذِ الْجَرِّ فَاكْفِنِيهِ بِمَا شِئْتَ» ''اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ واقعی ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھے یہ حدیث سنائی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے گھڑے کی نبیذ پینے سے منع فرمایا ہے تو جیسے تو چاہتا ہے مجھے اس سے کافی ہوجا، یعنی مجھے اس سے بچالے اور مجھے شفا عطا کردے۔ چنانچہ اسی وقت پیالہ پھٹ گیا اور ساری نبیذ زمین پر بہہ گئی اور فوراً آپ تندرست ہوگئیں۔(تهذيب التهذيب: 479/12)

لوگ بیماری سے خلاصی کے لیے حرام اشیاء کو بطور دوا استعمال کرنے کے لیے حیلے بہانے تراشتے ہیں۔ ایسا کرنے سے بیماری تو نہیں جاتی، البتہ ایمان و دین کا خاصا حصہ چلا جاتا ہے کیونکہ کسی حرام چیز میں اللہ تعالیٰ نے شفا رکھی ہی نہیں ہے۔ جب انسان اپنی جان کی بجائے اللہ کے حکم کی پروا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کبھی اس کو ضائع نہیں کرتا۔ اس کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا﴾ ''جو اللہ سے ڈرجاتا ہے، وہ اس کے لیے (مشکلات سے نکلنے کا) راستہ بنادیتا ہے۔'' (الطلاق 2:65)

یقیناً کسی نے ہماری تعریف بھی کی ہوگی

سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ام درداء صغریٰ بڑی دانا، عالمہ اور صاحبِ بصیرت خاتون تھیں۔ وعظ و نصیحت کرنے میں بڑی سلیقہ شعار تھیں۔ عوام و خواص جس میں بھی کوئی منکر دیکھتیں، اس کی اصلاح فرماتیں۔ ان کی رہائش شام کے علاقے میں تھی۔ ان کے علم و فضل کی بنا پر عبدالملک بن مروان نے انھیں خصوصی مقام عطا کررکھا تھا۔ اس وجہ سے کچھ لوگ ان سے حسد بھی کرتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے ان سے کہا: میں نے ایک شخص کو دیکھا ہے جو عبدالملک کے پاس تمھاری برائی بیان کررہا تھا۔ سیدہ ام درداء رضی اللہ عنہا نے بڑا خوبصورت جواب دیا، کہنے لگیں: ''اگر اس نے ہم پر ایسا عیب لگا دیا ہے جو ہم میں نہیں تو کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ہوں گے جنھوں نے ہماری ایسی تعریف بھی کی ہوگی جس کے ہم اہل نہیں۔''

میرا جنازہ رات کو نکلے

سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بڑی عظیم صحابیہ تھیں۔ انھیں حبشہ اور مدینہ کی دونوں ہجرتوں کا اعزاز حاصل ہے۔ وہ رشتے میں نبی کریم ﷺ کی لاڈلی بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی جیٹھانی لگتی تھیں۔ حبشہ میں اقامت کے دوران انھوں نے وہاں کے کئی عجیب و غریب حالات و واقعات دیکھے۔ ایک خاص انداز میں عورتوں کا جنازہ لے جانے کا واقعہ تو انھیں بڑا ہی عجیب لگا۔ یہ واقعہ انھوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یوں بیان کیا: میں نے حبشہ میں عورتوں کے جنازے دیکھے ہیں۔ وہاں جنازے پر کھجور کی شاخیں تان کر اوپر کپڑا ڈال دیا جاتا ہے۔ اس طرح ڈولی کی شکل بن جاتی ہے اور مکمل پردہ ہوجاتا ہے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ طریقہ بڑا اچھا لگا۔ انھوں نے اسی وقت کھجور کی چند شاخیں منگوائیں، ان پر کپڑا تانا جس سے پردے کی صورت پیدا ہوگئی۔ اس عملی تجربے کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وصیت کی کہ میرا جنازہ رات کو نکلے اور اس پر اسی طرح پردہ کیا جائے۔(السيرة لابن كثير: 267/8)

عہدِ رسالت کی خواتین بالخصوص خانوادۂ نبوت کی عورتیں کس قدر باحیا اور پردہ دار تھیں۔ زندگی تو ایک طرف، مرنے کے بعد بھی انھیں یہ گوارا نہ تھا کہ کوئی غیر محرم ان کا چہرہ تو کجا کفن کے پردے میں ملبوس ان کا پیکر ہی دیکھ سکے، حالانکہ مرنے کے بعد انسان مکلف نہیں رہتا۔ آج ان مثالی خواتین سے نسبت جوڑنے والی بہت سی عورتوں کی حالت یہ ہے کہ پردے کو ایک طرح کی قید اور پرانے زمانے کی روایت قرار دیتی ہیں اور بے پردگی پر فخر محسوس کرتی ہیں۔ فیاللعجب! اللہ تعالیٰ ان سب کو ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین



ایرانی جوہری معاہدہ

پس منظر............پیش منظر

ابو خالد ملک

امریکہ اور پانچ عالمی طاقتوں کے ایران کے ساتھ جوہری معاہدے پر بہت کچھ لکھا اور کہا گیا ہے۔ لیکن اصل حقائق تک پہنچنے کی کسی نے کوشش نہیں کی یا پھر دانستہ طور پر اس کو غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیا گیا ہے۔ لیکن ہم مشرقِ وسطیٰ اور افغانستان و پاکستان کے تناظر میں اس پر ایک تنقیدی نظر ڈالتے ہوئے جامع بحث کریں گے۔ تاکہ بہت سے تلخ پہلوؤں سے پردہ ہٹایا جائے اور پس پردہ تلخ حقائق سے عامۃ الناس کو روشناس کرایا جائے۔ یاد رہے کہ شامی جنگ میں پاگل پن کی حد تک ملوث ہونے کی بنا پر ایران کی معاشی تباہی اور ولایت شیعیت کو ممکنہ شکست سے بچانے کے لیے ایران کو امریکہ و مغرب کے آگے جھکنا پڑا، اور اپنی غیرت وعزت کا سودا کرنا پڑا تو دوسری جانب ایرانی رائے عامہ میں جنگ مخالف جذبات بہت تیزی سے ابھر رہے تھے، یہی وجہ ہے کہ حالیہ انتخابات میں متشدد ایرانی قیادت کی بجائے معتدل قیادت کو ایرانی عوام نے منتخب کیا ہے۔ اس طرح یک مشت پورے ایران میں مرگ امریکہ کے نعرہ کو فوراً مٹا دیا گیا۔ جو پچھلے 40 سالوں سے زائد موجودہ ملا پالیسی کا اہم جزو رہا ہے۔ ملا گروپ نے امریکہ واسرائیل کے خلاف نفرت پر مبنی جھوٹے پروپیگنڈے کی خوب سیاست کی اور ایوان اقتدار کے سیاہ و سفید کے مالک بن کر مزے لوٹتے رہے۔ ایرانی ملاؤں کی اس لفظی اسرائیلی مخالف جنگ کو ظلم و ستم کے نیچے پسی ہوئی ایرانی عوام ہمیشہ سچ سمجھتی رہی اور بھوک ونگ کا شکار ہوتی رہی۔ ایران کی اس مردہ معیشت کو اس معاہدہ کی آڑ میں دوبارہ زندگی کا موقع ملے گا جو بہرحال شام میں برسرِ پیکار اسلام پسندوں ہی کے خلاف استعمال ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ بشار حکومت کے ذمہ داران وحسن نصراللہ میڈیا میں آکر یہ کھل کر بیان دینے لگے ہیں کہ اب ہم باغیوں (اسلامی جنگجوؤں) کو شکست دیں گے۔ جس سے بشار کو فتح کی ایک ہلکی سی کرن دکھائی دینے لگی ہے۔ ابتدائی 6 ماہ پر مشتمل اس معاہدے کی رو سے ایران کو فوری طور بلین ڈالرز ملنے کے علاوہ ایران کی برآمدات وتیل پر سے بھی پابندیاں ختم ہو جائیں گی۔ امریکی پابندیوں سے ایرانی تیل پر استثنیٰ حاصل کرنے والے ممالک انڈیا، چین، تائیوان، ترکی، ملائیشیا، جنوبی افریقہ و کوریا، سری لنکا، سنگا پور اور یورپ کے کچھ ممالک شامل ہیں۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ بشار علوی فورسز کے تینوں Wings کو ہوگا جو ایران کے ذریعے مغربی ممالک سے اپنے خراب شدہ جنگی ہتھیاروں کے لیے پرزے اور دوسرے پارٹس خریدے گا۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ یورپ میں اس معاہدے کے لیے سب سے زیادہ کوششیں فرانس اور برطانیہ نے کی ہیں، حالانکہ اس وقت یہ دوممالک شام پر حملہ آور ہونے کے لیے سب سے زیادہ زور لگا رہے تھے۔ کفار کی اسی منافقت کو قرآن نے متعدد جگہ آشکار کیا ہے لیکن یہ ہدایات تو ایمان والوں کے لیے ہیں جو اسے سمجھنا چاہیں۔

تو دوسری جانب امریکہ نے اس ڈیل کی آڑ میں شام میں بڑھتی ہوئی اسلامی یلغار کے آگے ایک دیوار حائل کر دی ہے۔ کیونکہ شام میں اسلامی جنگجوؤں کی بڑھتی ہوئی یلغار نے ایران



سمیت طاغوتی وصہیونی طاقتوں کے لیے خطرہ کی گھنٹی بجادی تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ شام کی جنگ نے اس معاہدہ کے لیے فیصلہ کن کردار ادا کیا ہے۔ اس معاہدہ کا ایک پہلو یہ بھی تھا جب امریکہ نے دہشت گردی کی آڑ میں افغانستان پر ننگی جارحیت کا ارتکاب کیا تو امریکہ نواز پالیسی سے ایران ہم سے دور ہونے لگا۔ یہ ایران کا ایک خود ساختہ خوف تھا جس کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ لیکن ہمارے ازلی ونظریاتی دشمن انڈیا نے اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور لپک کر ایران کا ہاتھ تھام لیا۔ چانکیہ کے پیروکاروں نے اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور ایرانی سیستان سے پاکستان کے بلوچستان میں خانہ جنگی اور علیحدگی کے شعلوں کو خوب بھڑکایا جو ہنوز جاری ہیں، جس میں پس پردہ صہیونی بھی اپنا حصہ ڈال رہے ہیں۔ بہت کم لوگوں کو علم ہے کہ اس معاہدہ کو انجام تک پہنچانے میں اومان کے سلطان قابوس اور جنیوا میں انڈین لابی نے سب سے اہم کردار ادا کیا۔ اسی طرح آج کل اوباما انتظامیہ میں بھی جنوبی ایشیاء سے متعلق امور کا سربراہ بھی بھارتی نژاد امریکی ہے۔ جس نے ایران کو اس عالمی تنہائی سے نکالنے کے لیے اہم کردار ادا کیا۔ پاکستان کے ایوان اقتدار میں بیٹھے ہوئے کرگس اور جہادی تنظیموں کے شاہینوں کے لیے یہ سوچنے کا مقام ہے کہ آخر بھارت نے اس معاہدے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اتنی تگ ودو کیوں کی؟

معاہدے کے بعد بھارت نے خطے میں اپنا اثر ورسوخ بڑھانے اور پاکستان کو گھیرنے کی پالیسی کا آغاز کر دیا ہے۔ گوادر بندر گاہ سے 72 کلومیٹر دور ایرانی چاہ بہار بندر گاہ کی مکمل تعمیر اور افغانستان سے لے کر بندر گاہ تک 220 کلومیٹر سڑک تعمیر کرنے کے لیے ایک سوملین ڈالر مختص کر دیے گئے ہیں تاکہ پاکستان کو بائی پاس کر کے ایران کے ذریعے وسط ایشیاء تک تجارت بڑھائی جائے۔ میری رائے میں یہ صرف ایک جوہری معاہدہ ہی نہیں بلکہ آنے والے وقت میں خطے میں ایران کے کردار کا تعین بھی کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ روسی صدر نے اسے بڑی کامیابی قرار دیا ہے۔ ایران کی اس خارجہ پالیسی کے منفی اثرات بہرحال پاکستان پر ضرور پڑیں گے۔ امریکہ کو نیٹو سپلائی کے لیے مستقبل میں پاکستان کی ضرورت نہیں رہے گی۔ کیونکہ جس خطے میں بھارت، ایران اور امریکہ کا اتحاد ہو وہاں پاکستان کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے۔ اسی طرح امریکہ کو اس معاہدہ کی آڑ میں پاکستان کے متبادل کے طور پر ایران کی شکل میں ایک اہم اتحادی مل گیا ہے۔ کیونکہ امریکہ نے ایران سے آئندہ دس سالوں کے لیے نیٹو سپلائی روٹ کے لیے راستہ مانگ لیا ہے جس کا ابھی تک ایران نے انکار کی شکل میں جواب نہیں دیا۔ شنید ہے کہ ایران اس سلسلے میں ہاں کر دے گا۔ یوں اس کو افغانستان سے نکلنے کے لیے پاکستانی سہارے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ اس طرح پاکستان کو بین الاقوامی سطح پر تنہائی کا شکار کر کے بلیک میل کیا جا سکے گا۔ اور افواجِ پاکستان و جہادیوں اور دینی جماعتوں کو دباؤ میں لایا جا سکے گا۔ کیونکہ جب امریکی و نیٹو فورسز یہ سمجھنے لگیں کہ افغانستان میں پاکستانی Military Establishment AND ISI کے ہوتے ہوئے وہ کبھی بھی نہیں جیت سکتے تو انھوں نے فرار کے راستے سوچنے شروع کر دیے۔ اسی سلسلے میں انھوں نے پچھلے کچھ سالوں سے چار بڑے روٹس پر سڑکوں کا جال بچھا دیا جو کہ ایرانی سرحد تک جاتے تھے۔ دنیا یہی سمجھتی رہی کہ امریکہ افغانستان میں ترقیاتی کام افغان عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کر رہا ہے لیکن جب نومبر میں ایران کا جوہری معاہدہ ہوا تب جا کر انکشاف ہوا کہ امریکہ ترقی کے نام پر براستہ ایران فرار کے راستے بنا رہا تھا، کیونکہ فرار ہونا اور شکست کھانا ہی امریکہ کی تاریخ ہے۔ جس کی مثالیں افریقہ سے فرار، مالی میں الشباب کے ہاتھوں اپنے کمانڈوز کو مروانے وزخمی کروانے کے بعد فرار، ویت نام میں عبرت ناک شکست اور اب افغانستان میں افغانیوں (بقول امریکہ جن کے پاس نہ پہننے کے لیے اور نہ کھانے کے لیے) کے ہاتھوں امریکہ کی تاریخ کی ذلت آمیز وشرم ناک شکست امریکہ اب اپنے کنٹینرز کی آمدورفت ایران کی چاہ بہار بندر گاہ سے کرے گا۔ اس روٹ کو قابل عمل بنانے کے لیے امریکہ نے چھ ماہ قبل افغان صوبہ شمال مغربی نمروز سے چاہ بہار تک سڑک کی تعمیر بھی مکمل کر لی ہے۔ اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ امریکہ کو افغانستان سے انخلاء کے بعد کابل میں ایسے اتحادیوں کی ضرورت تھی، جو اینٹی طالبان و اینٹی پاکستان ہوں۔ امریکہ یہ سمجھتا ہے کہ انڈیا کے بعد ایران کسی حد



تک اس کی یہ ضرورت پوری کرسکتا ہے۔

اس معاہدہ کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ افغانستان میں اتحادی ممالک اور خاص کر امریکہ کی ننگی جارحیت کی وجہ سے ان کی معیشت اپنے انجام کے قریب پہنچ چکی تھی۔ جبکہ اوباما نے نئے امریکی بیل آوٹ پیکج کے وقت کا تعین جنوری تک کا کیا ہوا ہے۔ اور اب امریکہ سمیت یورپ کے پاس مہنگا تیل خریدنے کی سکت بھی نہیں تھی۔ تو دوسری جانب تمام متعلقہ ممالک کے اندر عوام اپنی اپنی حکومتی پالیسیوں کے خلاف پھٹ پڑے تھے اور نہ ختم ہونے والا مظاہروں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ جس سے اندیشہ ظاہر کیا جارہا تھا کہ کہیں پورے یورپ میں عرب بہاریہ کی طرح کوئی بغاوت کھڑی نہ ہو جائے۔ جس سے کہیں اسلام پسند فائدہ اٹھا کر طاغوتی نظریات کا جنازہ نہ نکال دیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ 9/11 سے قبل روس، ایران اور انڈیا شمالی اتحاد کو سپورٹ کر رہے تھے اور آج بھی کر رہے ہیں۔ کیونکہ روس 80 کی دہائی میں افغان وعرب مجاہدین کے ہاتھوں افغانستان میں ذلت آمیز شکست کو ابھی تک نہیں بھولا تو دوسری جانب چیچن مجاہدین اور شامی مجاہدین و افغان طالبان کے درمیان گہرے مراسم کی وجہ سے خاصا خوف زدہ ہے۔ انڈیا بھی سمجھتا ہے کہ اگر افغان طالبان فاتح قرار پائے تو ان کی اور دوسری علاقائی و کشمیری جہادی تنظیموں کی اگلی منزل انڈیا ہو گی۔ ان قوتوں کا سامنا کرنے کے لیے انڈیا اپنے اندر سکت نہیں رکھتا اور خاصا خوف زدہ ہے کیونکہ انڈیا نے انھی مجاہدین کے ہاتھوں روس کو ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہوا دیکھا تھا۔ اور اب امریکہ اور اس کے اتحادی تاریخ کی عبرت ناک شکست سے دو چار ہوتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ تو دوسری جانب امریکہ سعودیہ اور گلف کی ریاستوں کو تنہا کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو اس بات کی بھی سزا دے رہا ہے کہ انھوں نے شام میں برسرپیکار اسلامی جنگجوؤں کی مالی امداد سے ہاتھ کیوں نہیں کھینچا اور ان کے خلاف امریکہ کو ایک سخت کریک ڈاؤن کرنے کی اجازت کیوں نہیں دی؟ کیونکہ امریکہ، روس و مغرب اور ناجائز صہیونی ریاست (اسرائیل) شام کے حالات کی وجہ سے عرب دنیا میں اٹھنے والی اسلامی بیداری کی تحریک سے اپنے وجود کو مٹتا ہوا محسوس کر رہے ہیں۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ اس معاہدے سے سب سے زیادہ فائدہ ناجائز صہیونی ریاست اسرائیل ہی کو پہنچا ہے۔ باقی اسرائیل اور ایران کے درمیان لفظی جنگ تو پچھلے 40 سالوں سے جاری ہے۔ دنیا کا کوئی شخص اس حقیقت کو نہیں جھٹلا سکتا کہ پہلے کیمونزم کو اور اب سرمایہ دارانہ نظام کو شکست سے دوچار کرنے والے کوئی اور نہیں بلکہ اہل سنت و اہل سلف ہی ہیں۔ جس کو دنیائے کفر اور دنیائے یہود آج بھی اپنے اپنے وجود کے لیے خطرہ گردانتے ہیں۔ اور آج بھی اسی خطرے کے پیش نظر یہ سب اس جوہری معاہدے کی آڑ میں اکٹھے ہو چکے ہیں۔ الکفر ملة واحدة.

اس معاہدے کے ممکنہ منفی اثرات سے بچنے کے لیے ایرانی وزیر خارجہ فوری طور گلف ریاستوں وخاص کر سعودیہ کے دورے پر روانہ ہو گئے ہیں۔ تا کہ اعتماد کی ایک فضاء قائم ہو لیکن دوسری طرف ایران متواتر بحرین، یمن اور سعودیہ کے شہر القطیف، نجران اور جیزان میں متواتر تخریبی کارروائیاں کر رہا ہے جن میں خاص کر وہاں کے اہل تشیع کو حقوق کے نام پر حکومتوں کے خلاف مسلسل ابھار رہا ہے۔ جبکہ پوری اسلامی دنیا میں ایران ایک ایسا واحد ملک ہے جہاں پر اہل سنت کو مذہبی آزادی نہیں اور نہ ہی ان کو کھل کر اسلام کی دعوت واشاعت کا کام کرنے دیا جارہا ہے۔ جبکہ تیسری جانب ایران میں اہل سنت پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں۔ ایران اپنی انھی پالیسیوں کی وجہ سے وہ اب تک عالمِ اسلام میں اپنا وقار اور اعتماد بحال نہیں کروا سکا۔ تو دوسری جانب ایران پاکستانی سیاست میں سعودیہ کے اثر ورسوخ اور مسلکی بنیاد پر دینی اداروں کو مالی امداد سے سخت خائف ہے۔ اور وہ اس کو اپنے لیے ایک محاذ کے تناظر میں دکھا رہا ہے۔ یہ اس کے اندر کا چور ہے، حالانکہ ایسی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ سوچ بالکل اسی طرح ہے، جس طرح شامی رافضیوں اور ولایت شیعیت کے بانیوں نے شام میں ایک فرقہ وارانہ جنگ بھڑکائی اور اب ممکنہ شکست کو دیکھ کر اس کو دہشت گردی سے منسوب کیا جا رہا ہے تو کبھی اپنے اور باطل نظریات کو تحفظ دینے کے لیے معاہدے کیے جارہے ہیں۔

بقیہ صفحہ: 70



حافظ القرآن والحدیث

مولانا زبیر علی زئی رحمہ اللہ

آسمانِ علم وعمل کے درخشندہ ستارے

ابوانس (دارالسلام)

نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''اللہ تعالیٰ علم کو لوگوں کے سینوں سے کھینچ کر نہیں ختم کرتا بلکہ علماء کے اٹھ جانے سے علم اٹھتا ہے۔'' (صحیح البخاري: 100) آسمان علم وعمل پر چمکنے والے بہت سے روشن ستارے اب نظر نہیں آتے ع

زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے

اب مولانا زبیر علی زئی رحمہ اللہ ہمیں نظر نہیں آئیں گے۔ وہ خوبصورت چہرے اور سرخ وسفید رنگ میں ڈھلے ہوئے اور سادہ لباس، کندھے پر پشتون لنگی، سر پر جالی والی ٹوپی، لہجے میں نرمی وسختی کی آمیزش لیے مولانا زبیر علی زئی اب کبھی دارالسلام نہیں آئیں گے۔ ان سے جب بھی ملاقات ہوتی وہ جلدی میں ہوتے، چلتے تو بھی جلدی سے، بات کرتے تو بھی جلدی سے حتی کہ کھاتے تو بھی جلدی سے جیسا کہ وہ اپنی مستعار زندگی کے ایک ایک لمحے کو قیمتی بنانا چاہتے ہوں۔ رضامندی اور ناراضگی میں سے یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ پہلے کیا ملے گا۔ ناراض ہوتے تو فوراً راضی بھی ہوجاتے جبکہ رضامندی کی حالت میں ناراضگی کا خطرہ بھی منڈلاتا رہتا۔ ان کے اس انداز میں قومی روایات کا بھی بڑا دخل تھا۔ بات کے پکے اور سچے تھے۔ جس کو انھوں نے حق سمجھا بلاخوف وخطر ڈنکے کی چوٹ اس کا اظہار کیا۔ تقریر میں رو رعایت رکھی نہ تحریر میں۔

دارالسلام سے ان کی وابستگی بڑی پرانی اور دیرینہ تھی۔ دارالسلام ہی مولانا زبیر علی زئی رحمہ اللہ کے لیے وہ پہلا پلیٹ فارم تھا جس سے وہ علمی حلقوں میں پہچانے جانے لگے اور اپنے حلقہ ارادت میں وہ دارالسلام کی پہچان کا سبب بنے۔ دارالسلام میں ان کے رفقائے گرامی میں سے ابوعبداللہ مولانا عبدالجبار حفظہ اللہ سے راقم نے کوئی واقعہ پوچھا تو مولانا عبدالجبار کہنے لگے: ایک دفعہ انھوں نے یونان کے بحری سفر میں 18 گھنٹے کا روزہ رکھا تھا۔ بڑے متقی انسان تھے۔

انھیں ''کاما'' (Comma) اور فل سٹاپ نوعیت کی غلطیوں سے خاصی چڑ تھی اس وجہ سے وہ کامے کو ''ٹنڈا'' کے نام سے تعبیر کرتے تھے اور کہتے تھے: علماء کی روزیاں ''ٹنڈے'' پر لگی ہوئی ہیں۔

ان کا جو موقف ہوتا تھا اس پر سختی سے ڈٹ جاتے تھے۔ ایک دفعہ دارالسلام میں ایک شخص نے پچھلی صف میں اکیلے ہی نماز پڑھ لی۔ شیخ نے سلام پھیرا اور اس سے کہا: تمھاری نماز نہیں ہوئی، نماز دہراؤ۔ مولانا عبدالجبار نے دلائل دے کر کہا کہ دہرانے کی ضرورت نہیں۔ مولانا زبیر علی زئی رحمہ اللہ مولانا عبدالجبار کے پیچھے ظہر اور عصر کی نماز پڑھنے نہ آئے۔ کیونکہ ان کے نزدیک صف میں اکیلے نماز پڑھنا یہ حدیث ہی کی مخالفت تھی۔

مولانا مرحوم کی زندگی میں مزاح بھی شامل تھا۔ جیسے جسمانی امراض کے لیے ''پھکی'' دی جاتی ہے اسی طرح فکری یا علمی کمزوریوں کو دور کرنے کو مولانا ''پھکی دینے'' سے تعبیر کرتے تھے اور کہتے تھے: فلاں کو ''پھکی'' مل گئی ہے اب اس کا مزاج درست ہوجائے گا۔ ایک دفعہ مولانا مرحوم نے دارالسلام کے چند علماء کی ناصر باغ میں آئس کریم سے دعوت کی۔ مولانا عثمان منیب نے کہا کہ آپ دورِ حاضر کے علماء پر جرح وتعدیل کے اصول کا انطباق کرتے ہیں، خیال رکھیں کوئی آپ ہی کو ضعیف قرار نہ دے دے۔ تو کہنے لگے: اس کا مطلب ہے کہ آپ نے مجھے ''پھکی'' دی ہے۔

دارالسلام کی سنن اربعہ پر انھی کی تحقیق وتخریج درج ہے۔ اس بارے میں کوئی دوسری رائے آتی تو وہ اسے قبول نہ کرتے بلکہ اپنی بات یا موقف پر از حد اعتماد کرتے۔ اسی وجہ سے سنن میں ان کی تحقیق سے خاصا اختلاف بھی سامنے آیا۔

دیگر رجحانات ومصروفیات کے باعث دارالسلام سے وابستگی میں خاصی کمی آگئی تھی۔ حتی کہ یہ بات مشہور ہوگئی کہ مولانا زبیر دارالسلام کے مخالف ہیں۔ چندسال قبل دارالسلام کے سینئر ریسرچ



سکالر مولانا عبدالولی سے مولانا زبیر علی زئی رحمہ اللہ کی ملاقات ہوئی اور مرید کے سے لاہور کا اکٹھا سفر بھی کیا تو باتوں باتوں میں مولانا عبدالولی حفظہ اللہ نے ان سے پوچھا: آپ کے بارے میں سنا ہے کہ آپ دارالسلام کے مخالف ہیں۔ وہ کہنے لگے: نہیں نہیں۔ بس اب مجھے کتابوں کے حقوق وغیرہ سے کچھ نہ کچھ ملتا رہتا ہے اور میرا اچھا گزر بسر ہو رہا ہے۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔ پھر اسی سفر میں وہ دارالسلام بھی آئے اور تمام رفقاء سے مل کر بھی گئے۔

دارالسلام کے بانی و مینجنگ ڈائریکٹر اور ضیائے حدیث کے چیف ایڈیٹر مولانا عبدالمالک مجاہد حفظہ اللہ سے راقم نے تأثرات کے اظہار کا کہا تو وہ کہنے لگے: بلاشبہ وہ اس دور کے عظیم صاحب علم تھے۔ انھیں محدث دوراں بھی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ مولانا سے ہماری رفاقت خاصی دیر رہی۔ بڑے منکسر المزاج اور سیدھے سادے انسان تھے۔ مجاہد صاحب کہنے لگے کہ میں نے دارالسلام ہیڈ آفس ریاض میں انھیں اسی طریقے سے حدیث حفظ کرتے دیکھا جیسا کہ قرآن مجید یاد کرنے کے لیے رٹہ لگایا جاتا ہے۔ مولانا زبیر علی زئی دارالسلام ہی سے وابستہ رہتے تو ان کی خدمات اور زیادہ نکھر کر سامنے آتیں۔

مولانا زبیر علی زئی رحمہ اللہ حضرو (اٹک) کے رہنے والے تھے۔ اپنی علاقائی اقدار و روایات کے مطابق انھوں نے تقلید و جمود کے آنگن میں آنکھ کھولی تھی۔ ہوا یوں کہ حضرو میں جماعت اسلامی کے زیر اہتمام ایک ماہانہ درس قرآن ہوتا تھا۔ یہ درس ابو رجال مولانا اللہ دتہ رحمہ اللہ دیا کرتے تھے۔ آگے بڑھنے سے قبل مولانا اللہ دتہ مرحوم کا تعارف بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔

مولانا اللہ دتہ رحمہ اللہ سوہدرہ (ضلع گوجرانوالہ) کے رہائشی تھے۔ اور اسی ماہنامہ ضیائے حدیث کے بانی و سابق چیف ایڈیٹر مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ کے والد گرامی حافظ محمد یوسف رحمہ اللہ کے ہاتھوں اہلحدیث ہوئے تھے۔ سچی بات کا بلا روک ٹوک اظہار ان کی طبیعت کا لازمہ تھا۔ یاد رہے! مولانا اللہ دتہ صاحب کے خاندان کے لوگ اب بھی دوسرے مسلک سے تعلق رکھتے ہیں اور حجامت کے پیشے سے منسلک ہیں۔ بہرحال مولانا اللہ دتہ رحمہ اللہ نے ایک دن مولانا زبیر علی زئی رحمہ اللہ کے چچا جان سے بخاری شریف لے کر مولانا زبیر علی زئی کو پڑھائی، تب ان کی آنکھیں کھلیں اور انھوں نے تقلید و جمود کی زنجیروں کو توڑا اور ایسا توڑا کہ زندگی کے آخری لمحات تک اہل تقلید کے خلاف برسرِ پیکار رہے۔ ان کے والد ان سے سخت خفا تھے۔

تقلید کا ''ہار'' توڑنے کے بعد مولانا مرحوم نے شیخ الحدیث حافظ عبدالمنان نورپوری رحمہ اللہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے اور جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ وہاں مولانا کسب فیض کرتے رہے۔

مولانا 10 نومبر 2013ء کو اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، لغزشوں کو معاف فرمائے اور ان کے جاری کردہ ماہنامہ ''الحدیث'' اور خیر کے دیگر کاموں کو ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ اور انھیں محدثین کرام کا ساتھ نصیب فرمائے۔ آمین

بقیہ | ایرانی جوہری معاہدہ

میری رائے میں اب آنے والا وقت پاکستانی سول و فوجی قیادت اور جہادی و مخلص دینی جماعتوں کے لیے ایک کڑا امتحان ثابت ہوگا، کیونکہ اب انڈیا کی مدد سے پاکستان کو تین اطراف سے گھیرا جائے گا اور چوتھا محاذ پاکستان کے اندر خانہ جنگی کی صورت میں شروع کیا جائے گا، اور صوبوں کے اندر علیحدگی و لسانیت کے نام پر خوب خون ریزی کروائی جائے گی۔ دہشت گردی پورے عروج پر ہوگی۔ بہرحال امریکہ و مغرب نے افغانستان میں اپنی شکست کا بدلہ تو لینا ہے۔ ہمیں یہ کسی بھی صورت نہیں بھولنا چاہیے کہ افغانستان میں مزید دس سال کا قیام خطے میں امریکی مفادات کے ساتھ ساتھ پاکستان کو سبق سکھانا بھی ہے۔ کیونکہ اب اس معاہدے کے بعد امریکہ کو کوئی خوف نہیں کہ پاکستان میں امریکہ مخالف جذبات ابھرتے ہیں۔ بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ پاکستانی سیاسی ٹولہ اور امریکی ڈالروں پر پلنے والی بیوروکریسی خود امریکی مفادات کا تحفظ کرے گی۔ یہ ایک انتہائی خوفناک جنگ ہوگی لیکن اس سے بھی زیادہ خوفناک حقیقت یہ ہے کہ ہم اس جنگ کے لیے تیار ہی نہیں اور خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں ......۔ میری رائے میں اب وقت آ گیا ہے کہ پاکستان کے پالیسی سازوں کو خطے میں تیزی کے ساتھ بدلتی ہوئی صورت حال پر نظر رکھنا ہوگی لیکن اس سلسلے میں سب سے زیادہ ذمہ داری علاقے کی جہادی و دینی منظمات اور ان کی مخلص لیڈر شپ پر ہے کہ وہ اپنی آنکھیں کھلی رکھیں کہ کہیں کوئی ان سے ہاتھ نہ کر جائے۔

مٹی

ڈاکٹر طارق ریاض

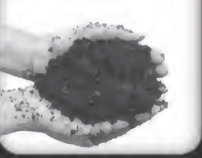


کہنے کو تو ''مٹی'' ہے مگر یہ بھی قدرت کا انمول تحفہ ہے

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی رینکنگ ہو تو یقیناً ٹاپ ٹین میں مٹی (SOIL) بھی شامل ہوگی۔ پروردگار عالم نے اس نعمت کا ذکر قرآن حکیم میں کچھ اس طرح کیا ہے کہ ہم نے انسان کو ایک گوندھی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔ ہر جاندار بشمول انسان مرنے کے بعد بیکٹریا اور فنجائی (Fungi)، جنھیں ڈی کمپوزرز کہا جاتا ہے، کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ کر مٹی ہو جاتا ہے۔ ٹوٹ پھوٹ کا یہ عمل اُس وقت سے جاری ہے جب سے یہ دُنیا وجود میں آئی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید اس دنیا میں اس قدر مردار اشیاء ہوتیں کہ کوئی جاندار یہاں نہ رہ سکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس طرح سے یہ سب کچھ بنایا ہے کہ ذرہ بھر بھی خامی نکالنا ممکن نہیں۔ ہم زندہ رہنے کے لیے سانس لیتے ہیں۔ سانس لینے کے عمل میں آکسیجن درکار ہے اور یہ پودوں اور درختوں سے فضا میں شامل ہوتی ہے۔ ہمارے پودے اور درخت مٹی سے منسلک ہوتے ہیں جہاں سے پانی اور نمکیات حاصل ہوتے ہیں۔ ہمارے پانی کے ذخائر بھی زمین میں مٹی کے ذرات کے درمیان موجود ہوتے ہیں۔ لہٰذا مٹی جیسی نعمت کے بغیر بھی زندگی کا عمل ناممکن ہے۔

ہماری زمین کی سطح پر مختلف تہوں (Layers) پر مشتمل ذرات مٹی کہلاتے ہیں۔ ان تہہ در تہہ مٹی کو SOILHORIZONS کہا جاتا ہے۔ اس میں نمکیات، ریت (Sand)، بھل (Silt) اور چکنی مٹی (Clay) شامل ہیں۔ ان کے ساتھ نامیاتی مادے بھی شامل ہو کر مٹی بناتے ہیں۔ ان اجزا کی کمی بیشی سے مٹی کی ساخت (Soil Texture) اور مضبوطی، رنگ، کیمیائی وحیاتیاتی خصوصیات بدل جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پہاڑوں، کھیتوں، میدانوں، صحراؤں اور جنگلوں میں مٹی کا رنگ ایک سا نہیں ہوتا۔ یوں سمجھ لیں کہ ہماری زمین نے مٹی کے ذرات پر مشتمل چادر اوڑھ رکھی ہے۔ گویا مٹی ہماری زمین کی جلد (SKIN) ہے جو چٹانوں اور پتھروں کے رفتہ رفتہ ٹوٹنے کے عمل سے بنتی ہے۔ اس عمل کو WEATHERING کہا جاتا ہے۔ مٹی کے ٹھوس اجزا میں اوپر بیان کیے گئے اجزا کے علاوہ ہوا اور پانی بھی شامل ہیں۔ اکثر اقسام کی مٹی 1 سے $2g/cm^3$ کثافت رکھتی ہیں۔ ہماری زمین پہ پرانی سے پرانی مٹی کی عمر زیادہ سے زیادہ پچیس لاکھ اٹھاسی ہزار سال تک ہے۔ یہ وقت PLEISTOCENE کہلاتا ہے۔ جس کی آخری حد 11700 برس ہے۔ جبکہ زیادہ تر مٹی 66 ملین سال سے آج تک کی ہے۔ جیالوجیکل سائنس دان اس وقت کو CENOZOICERA کہتے ہیں۔

مٹی کے بارے میں علم بہت وسیع ہے اور غالباً ابھی بہت کچھ جاننا باقی ہے۔ مٹی کے مطالعہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ مٹی کے بننے کا عمل، مٹی کی ظاہری رنگت و شکل اور جس ماحول سے مٹی کا تعلق ہے، اس سب کا مطالعہ PEDOLOGY کہلاتا ہے۔ جبکہ مٹی جانداروں پر کس طرح اور کیا اثرات مرتب کرتی ہے، اس کا مطالعہ EDAPHOLOGY کہلاتا ہے۔ اب ان سب کو مجموعی طور پر SOIL SCIENCE بھی کہا جاتا ہے۔ اگر مٹی کے کام دیکھیں تو عقل حیران رہ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمت کی بدولت ہمارے کتنے کام کر رہا ہے۔ مٹی ہمارے بے شمار جانداروں، حشرات، بیکٹیریا اور فنجائی کو مسکن فراہم کرتی ہے۔ نمکیات کی ری سائیکلنگ کا کام کرتی ہے۔ پانی کو صاف کر کے پینے کے قابل بناتی ہے۔ یہی پانی زراعت وصنعت میں استعمال ہوتا ہے۔ پانی میں موجود جراثیم کا خاتمہ کرتی ہے۔ یہ ہمارے پودوں کو نائٹروجن، فاسفورس اور پوٹاشیم مہیا کرتی ہے۔ جو بصورت خوراک ہمارے جسم کا حصہ بن جاتے ہیں۔ مٹی کی بدولت ہماری فصلیں پروان چڑھتی ہیں جنھیں کھا کر ہم



اور ہمارے جانور زندہ ہیں۔ مٹی میں رہنے والے جانداروں کو آکسیجن بھی مٹی فراہم کرتی ہے۔ قصہ مختصر! مٹی کیا ہے اور کیا کیا کرتی ہے۔ اس پر دنیا بھر میں بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور ہر سال تحقیق کے نتیجے میں سیکڑوں نئے نئے موضوعات سامنے آتے ہیں کیونکہ مٹی کے کردار کے ساتھ ساتھ اس کے بننے کے عمل میں بے شمار طبیعی، کیمیائی اور حیاتیاتی عوامل اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ پھر موسم، بلندی، چٹانوں کی ساخت، نباتات و حیوانات، نمی کی دستیابی، درجہ حرارت، وقت وغیرہ جیسے عوامل کا بھی اپنا اپنا حصہ ہے۔

مٹی جس چٹان سے بننا شروع کرتی ہے اُسے PARENT MATERIAL کہتے ہیں جو رفتہ رفتہ مٹی میں تبدیل ہوتا رہتا ہے۔

مٹی کے بارے میں تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ پانی کے مقابلے میں اس میں خوردبینی حیات زیادہ رہتی ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ ایک گرام مٹی میں پچاس ہزار انواع کے جاندار رہتے ہیں۔ یہ تعداد یقیناً بہت زیادہ ہے۔ مٹی کی خصوصیات میں یہ بات بھی اہم ہے کہ اُس میں کس قسم کے مادے شامل ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً: فیکٹریوں، گھروں اور کھیتوں سے نکلنے اور پیدا ہونے والے مادے، نباتات اور حیوانات کے مردار اجسام کی شمولیت اور اُن کی توڑ پھوڑ سے بننے والے مادے مختلف ہیں۔ اسی لیے زمین پر کئی طرح کی مٹی بنتی رہتی ہے۔ کیونکہ مٹی بننے کا عمل ہر لحظہ جاری رہتا ہے اسی لیے وقت بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ فطرت میں صرف 2.5 سینٹی میٹر (ایک انچ) موٹی مٹی کی زرخیز تہہ بننے میں 800 سے 1000 برس لگ جاتے ہیں تب جا کر مٹی میں ایسی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں کہ وہ اس سسٹم (ECOSYSTEM) میں کردار ادا کر سکے۔ کیونکہ مٹی کی قسم کا دارومدار مختلف سائز کے ذرات پر ہے اسی لیے ریتلی مٹی، میرا زمین کی مٹی (Silt) اور چکنی مٹی کی پانی ذخیرہ کرنے، ڈھیلے بنانے، نمکیات ذخیرہ کرنے کی اہلیت وغیرہ بھی مختلف ہے۔

مٹی کی سب سے زرخیز قسم کو Loam (لوم) کہتے ہیں۔ اس میں 40 فیصد ریت، 40 فیصد بھل (Silt) اور 20 فیصد چکنی مٹی (Clay) ہوتی ہے۔ اس زرخیزی کے بہ سبب فصلوں پر اس کا بہت اچھا اثر ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ زرخیز ہونے کے ساتھ ساتھ وہ تمام ضروری نمکیات رکھتی ہے جو پودوں کی جڑوں کے پھلنے پھولنے میں خوب مددگار ہیں۔

مٹی کے ذرات کے درمیان فاصلے کو POROSITY کہتے ہیں۔ یہ خلاریت کے ذرات کے درمیان زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے یہاں پانی نہیں ٹھہرتا اور پودے کی صحیح نشوونما نہیں ہو پاتی۔ مٹی کے ذرات کی جسامت اور اُن کا درمیانی فاصلہ متعین کرتا ہے کہ مٹی کے ذرات کے درمیان ہوا کی کتنی مقدار ہوگی۔ گملے کو گوڈی اور کھیت کو ہل یا ٹریکٹر چلانے کی اسی لیے ضرورت ہے کہ اس طرح مٹی میں ہوا کی مقدار بڑھ جاتی ہے جو جڑوں کی نشوونما میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ مٹی کے ذرات کا سائز یہ بھی تعین کرتا ہے کہ مٹی میں چپکنے اور جڑنے کی صلاحیت (CONSISTENCY) کیسی ہے۔ پرانے زمانے میں اکثر گھر مٹی کے بنا کرتے تھے۔ وہ اتنے پائیدار ہوتے تھے کہ ہر سال برسات سے پہلے لپائی کر کے در و دیوار کو مضبوط کر لیا جاتا تھا۔

مٹی کا رنگ بھی مختلف ہوتا ہے۔ جس کی بڑی وجہ اُن میں شامل اجزا اور خاص کر MINERALS ہیں۔ ایسی مٹی جس میں آئرن ہو وہ پیلی یا سرخی مائل ہوتی ہے۔ نامیاتی مادوں کی توڑ پھوڑ سے مٹی کا رنگ سیاہ مائل ہو جاتا ہے۔ میگنیز، سلفر اور نائٹروجن کی حامل مٹی بھی سیاہ رنگت کی ہوتی ہے۔ نباتاتی اور حیوانی مادوں کی شمولیت سے مٹی زرخیز ہو جاتی ہے۔ ان مادوں کی توڑ پھوڑ سے جو مادہ بنتا ہے اُسے HUMUS کہتے ہیں۔ یہ مٹی میں تیزابیت و اساسیت (پی ایچ) پر اثر انداز ہوتی ہے۔ مٹی کی P^H 3.5 سے 9.5 تک ہوتی ہے۔ اس سے کم یا زیادہ پی ایچ پودے کے لیے ضرر رساں ہوتی ہے۔

مٹی کی اقسام کو مختلف کیٹگری میں رکھا جاتا ہے۔ سائنس کی یہ شاخ سائل ٹیکسانومی کہلاتی ہے۔ مٹی کو مختلف گروہوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ مٹی بڑی قیمتی دولت ہے اس کو سب سے زیادہ خطرہ ہوا اور پانی کے بہاؤ سے ہے۔ یہ عمل Soil Erosion کہلاتا ہے۔ جس میں آندھی، طوفان اور سیلاب ہمیں زرخیز مٹی سے محروم کر دیتے ہیں۔

ایک دن سب کچھ مٹی ہو جانا ہے سوائے نیک اعمال کے!

بحرین

محسن فارانی

موتیوں کا دیس جو اب تیل کی دولت سے مالا مال ہے

مملکت بحرین خلیج فارس کے جزیرہ بحرین اور چند چھوٹے بڑے جزائر پر مشتمل ہے جو سعودی عرب اور قطر کے درمیان واقع ہیں۔ جزائر کی کل تعداد 33 ہے۔ اس کا رقبہ 765.3 مربع کلومیٹر اور آبادی ساڑھے بارہ لاکھ ہے۔ اس کی آبادی میں 51.4 فیصد عرب، 45.6 فیصد ایشیائی اور 6 فیصد ایرانی ہیں۔ بحرینی عرب سب مسلمان ہیں۔ مملکت بحرین میں جزیرہ بحرین، جزیرہ ام النعسان اور قطر کے مغرب میں واقع جزائر حوار بھی شامل ہیں۔ جزیرہ بحرین اور ام النعسان 28 کلومیٹر طویل سمندری پل ''جسر الملک فہد'' کے ذریعے سے سعودی عرب سے ملے ہوئے ہیں۔ اس کی شروعات اس وقت ہوئیں جب 1965ء میں شیخ خلیفہ بن سلمان الخلیفہ (وزیراعظم بحرین) الریاض آئے تو شاہ فیصل نے دونوں مملکتوں کو پل کے ذریعے سے ملانے کی خواہش ظاہر کی۔ نومبر 1982ء میں شاہ فہد اور حکمران بحرین عیسیٰ بن سلمان الخلیفہ نے اس کا سنگ بنیاد رکھا اور چار سال بعد نومبر 1986ء اس پل کا افتتاح عمل میں آیا۔ 80 کروڑ ڈالر کی لاگت سے بننے والے اس دورویہ پل (Causway) کو بحرین کے مغربی جزیرہ ام النعسان اور خلیج بحرین سے گزارا گیا ہے۔ اس کے ستونوں کی تعداد 536 ہے۔ پل کی چوڑائی 23 میٹر (75 فٹ) ہے۔ بحرین کا دارالحکومت المنامہ ہے جس کی آبادی ایک لاکھ 60 ہزار ہے۔

دوسمندروں کا بحرین

ماضی میں سعودی عرب کا مشرقی ساحلی علاقہ بشمول جزیرہ بحرین و جزیرہ نما قطر البحرین کہلاتا تھا جس کا دارالحکومت ہَجَر یا ہَجَر الصفا تھا جواب ہفوف کہلاتا ہے۔ اسے بحرین اس لیے کہا گیا کہ اسے دو سمندر الخلیج العربی (خلیج فارس) اور خلیج البحرین لگتے تھے۔

عہدِ جاہلیت اور اوائل اسلام میں البحرین کا اطلاق مشرقی عرب پر ہوتا تھا جس میں قطیف اور ہجر کے نخلستان شامل تھے۔ آگے چل کر یہ نام محض اس مجمع الجزائر کے لیے مخصوص ہوگیا جواب مملکت بحرین کہلاتا ہے۔

بحرین میں اسلام کا ورود

عہدِ نبوی میں یہاں منذر بن ساویٰ حکمران تھا جس نے سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ (سفیرِ نبوت) کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ اس



کے ساتھ ہی بحرین کے ایرانی گورنر (مرزبان بجر) سیجنت اور ان کی رعایا نے اسلام قبول کرلیا تھا۔

موتیوں کا جزیرہ: جدید بحرین

جزیرہ بحرین ماضی قدیم میں دلمن یا دلمون کہلاتا تھا۔ اس کی شمالاً جنوباً لمبائی 48 کلومیٹر اور چوڑائی 14 کلومیٹر ہے۔ منامہ کے علاوہ یہاں عالی، المحرّق، مدینہ عیسیٰ، الرفاع الغربی، الرفاع الشرقی اور العوالی نامی شہر آباد ہیں۔

جزیرہ بحرین پر ایک ہی پہاڑی ہے جو 150 میٹر بلند ہے۔ جزیرہ بحرین کے علاوہ مملکت بحرین کے دیگر معروف جزائر درج ذیل ہیں: ام نعسان، المحرّق، سِترہ، نبیہ صالح، جدّہ اور جزائر حوار۔ شہر المحرق کی آبادی تقریباً ایک لاکھ ہے۔ بحرین کے 88.4 فیصد باشندے شہروں میں اور 11.4 فیصد دیہات (ریف) میں مقیم ہیں۔

1522ء میں پرتگالیوں نے جزیرہ بحرین پر قبضہ کرلیا تھا۔ پھر 1602ء میں عثمانی ترکوں نے بحرین کو آزاد کرالیا۔ 1783ء میں بحرین میں احمد الفاتح کی قیادت میں آل خلیفہ کی آزاد حکومت قائم ہوئی جسے 1820ء میں برطانیہ نے اپنا زیرِ حمایت (Protectorate) بنالیا۔ مملکت بحرین نے 1971ء میں برطانیہ سے آزادی حاصل کی۔ بحرین میں معدنی تیل (پٹرولیم) کی دریافت اور جاپان میں مصنوعی موتی بننے سے پہلے یہ قدرتی موتیوں کی پیداوار کے لحاظ سے دنیا بھر میں مشہور تھا۔ اس کی 5 فیصد زمین قابل کاشت ہے۔ بحرین کی زرعی پیداوار سبزیوں اور پھلوں پر مشتمل ہے۔ اس کا سرکاری مذہب اسلام اور سرکاری زبان عربی ہے۔ بحرین کا سکّہ بحرینی دینار ہے۔ ایک بحرینی دینار 2.6 امریکی ڈالر کے برابر ہے۔ یہاں پٹروکیمیکلز اور ایلومینیم کی صنعتیں قائم ہیں۔ یہاں فی کس آمدنی 27556 ڈالر ہے۔

بحرین میں شافعی مسلک کے مسلمان آباد ہیں۔ خاصی تعداد میں اہل تشیع ہیں جن میں اکثریت ایرانی نژاد شیعوں کی ہے۔ قلیل تعداد اباضی خارجیوں کی ہے۔

الفاتح مسجد بحرین

بحرین کے دارالحکومت منامہ میں واقع الفاتح مسجد کا شمار دنیا کی انتہائی خوبصورت اور چند بڑی مساجد میں ہوتا ہے۔ مسجد کی لمبائی 330 فٹ اور چوڑائی 246 فٹ ہے۔ اس طرح اس کا کل رقبہ 81180 مربع فٹ ہے۔ اس میں 7000 نمازی بیک وقت نماز ادا کرسکتے ہیں۔ پورے بحرین میں یہ سب سے بڑی عبادت گاہ ہے۔ منامہ کے جنوب مشرق میں شاہ فیصل ہائی وے کے پاس جفیر ٹاؤن میں یہ مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ مسجد کا مرکزی گنبد فائبر گلاس کا بنا ہوا ہے، اُس کا وزن 60 ٹن (60000 کلوگرام) ہے۔ گنبد کا قطر 79 فٹ ہے۔ فائبر گلاس سے بنایا گیا یہ گنبد اس وقت دنیا کا سب سے بڑا گنبد ہے۔ مسجد کے فرش میں لگا ہوا سنگ مرمر اٹلی سے منگوایا گیا جبکہ ہال کے اندر گنبد کے نیچے لٹکا ہوا شاندار فانوس آسٹریا سے درآمد کیا گیا ہے۔ مسجد کے دروازے ساگوان کی قیمتی لکڑی سے تیار کیے گئے ہیں جو بھارت سے منگوائی گئی تھی۔ مسجد کے مرکزی ہال میں قرآنی آیات خطِ کوفی میں لکھی ہوئی ہیں۔

یہ مسجد بحرین کے سابق حکمران شیخ عیسیٰ بن سلمان الخلیفہ نے 1987ء میں تعمیر کروائی اور بحرین کے فاتح احمد الفاتح کے نام سے اس کو موسوم کیا۔ مسجد سے ملحق بہت بڑی نیشنل لائبریری بنائی گئی ہے۔ اس مسجد کے دو اونچے مینار ہیں۔

بحرین ایک نظر میں

نام: مملکت بحرین
دارالحکومت: منامہ
حکومت: وحدانی دستوری بادشاہت
حکمران: حمد بن عیسیٰ الخلیفہ
ولی عہد: سلمان بن حمد بن عیسیٰ الخلیفہ
رقبہ: 765.3 مربع کلومیٹر
آبادی: ساڑھے بارہ لاکھ
تقسیم آبادی: بحرینی: 46 فیصد، غیر ملکی: 54 فیصد، ایشیائی: 45.6 فیصد، مسلمان: 70.2 فیصد، غیر بحرینی عرب: 5.4 فیصد
ایران سے آزادی: 1783ء
برطانیہ سے آزادی: 15 اگست 1971ء
سرکاری وتعلیمی زبان: عربی
ٹریفک: دائیں طرف

حافظ عبدالوحید سوہدروی

امریکی سپرنٹنڈنٹ جیل سے انٹرویو

''مغرب'' سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!

ایک روز دورانِ گفتگو جیل سپرنٹنڈنٹ سے میں نے کہا کہ پاکستانی لوگ امریکنوں کے بارے معلومات جاننے کے متمنی رہتے ہیں تو اس نے مجھے اپنا انٹرویو دینے کی پیش کش کردی۔ مقررہ تاریخ پر اسے کسی میٹنگ میں جانا پڑ گیا۔ پھر 4 اکتوبر 2013ء کو اس کے آفس میں بیٹھ کر تقریباً 45 منٹ بات چیت ہوتی رہی۔

میرا مقصد تو اسلام سے متعلق اس کے ذہن کا مطالعہ کرنا تھا تاکہ امریکن سوسائٹی کے اعلیٰ طبقے کا رجحان معلوم ہو سکے۔ مگر صرف اسی ایک موضوع پر گفتگو کرنا مناسب نہ تھا۔ لہٰذا بات میں نے اس کے پیشہ سے شروع کی۔

یہ کالے رنگ کا 47 سالہ سینئر وارڈن ہے۔ واضح رہے کہ امریکہ میں جیل سپرنٹنڈنٹ کو وارڈن کہا جاتا ہے۔ یہ دو سال سے اس جیل میں متعین ہے۔ اس سے قبل ایک ادھیڑ عمر کی گوری خاتون وارڈن ہوتی تھی۔ جب پہلی بار مسلم چیپلین نے میرا اس سے تعارف کرایا تو اس نے مصافحہ کے لیے میری طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔ میں نے معذرت کی اور بتایا کہ اسلام میں مردوں کو غیر عورت کے ساتھ مصافحہ کی اجازت نہیں تو اس نے بڑی خندہ پیشانی سے میری معذرت کو قبول کیا۔ یہ صورتِ حال ہمیں یہاں اکثر پیش آتی رہتی ہے مگر مسلمانوں کی اکثریت پر افسوس ہوتا ہے کہ وہ............، حالانکہ اسلامی اقدار کو متعارف کرانے کا یہ ایک اچھا موقع ہوتا ہے۔

انٹرویو دینے والے وارڈن کا ایک بڑا بھائی بھی ایک دوسرے جیل میں سپرنٹنڈنٹ ہے۔ جبکہ ان کے والد بھی جیل کی نوکری سے ریٹائر ہوئے تھے۔ اس وارڈن کو جیل کی ملازمت میں 29 سال ہو گئے ہیں۔ وارڈن کے عہدہ پر 1999ء میں تقرری ہوئی۔ 8 مختلف جیلوں میں کام کیا۔ انھوں نے بتایا کہ ایک جیل میں پھانسی کی سزا کے موقع پر بطور میجر میری تقرری تھی اور میں بوقت پھانسی قیدی کے ورثاء کے درمیان موجود رہتا جو بڑا رقت آمیز موقع ہوتا تھا۔ کل 97 افراد کو میری زیرِ نگرانی پھانسی دی گئی۔ میں نے حیرانی سے پوچھا: کیا امریکہ میں اب بھی پھانسی کی سزا برقرار ہے؟ اس نے جواب دیا: ''بالکل''۔ قارئین اندازہ لگا سکتے

ہیں کہ پوری دنیا میں پھانسی کی سزا کے مخالفین کا اپنا حال کیا ہے۔ پھر مزے کی بات یہ ہے کہ قول وفعل کے اس تضاد کو منافقت بھی نہیں سمجھا جاتا۔

یہ ہائی سکیورٹی جیل ہے جہاں لمبی سزا پانے والے قیدی ہوتے ہیں۔ چوبیس گھنٹوں میں دس بار ان کی گنتی کی جاتی ہے کہ کوئی بھاگ نہ جائے۔ بھاگنا بیچاروں نے کیسے ہے۔ جیل کے گرد خاردار اونچی باڑ کے علاوہ بجلی کی تاروں کی فینس بھی لگی ہوئی ہے۔ جیل کی نفری کے بارے میں میرے سوال پر بتایا کہ جیل میں قریباً 400 آفیسر اور ایک سو دفتری عملہ ہے جبکہ قیدیوں کی تعداد 1931 ہے۔ قارئین ملاحظہ کیجیے کہ قیدیوں اور ان کی نگرانی پر مامور عملہ کا تناسب چار اور ایک کا ہے۔ گویا قیدیوں سے بڑھ کر کہیں زیادہ خرچہ عملے پر ہوتا ہے۔ معاشیات کے اصول کے تحت کسی کے بجٹ کا غیر متوازن ہوتے جانا معاشی تنزل کی علامت ہوتا ہے۔ تاہم ہمیں اس سے بحث نہیں۔ وارڈن نے بتایا کہ کچھ عرصہ قبل تک پورے جیل کا اندرونی انتظام قیدیوں کے اپنے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ جس سے بجٹ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

قیدیوں کے کھانے کے اوقات کے سوال پر وارڈن نے بتایا کہ ناشتہ انھیں رات ساڑھے تین بجے دیا جاتا ہے۔ دوپہر کا کھانا صبح 10 بجے اور رات کا کھانا سہ پہر 4 بجے دیا جاتا ہے۔ میرے سوال پر کہ کیا یہ اوقات خاص کر ناشتے کا وقت سزا کے طور پر اتنی جلدی رکھا گیا ہے کہ قیدی آرام کی نیند سو نہ سکیں تو وارڈن نے جواب نفی میں دیا۔ صرف یہ کہا کہ چونکہ انھیں صبح کام میں مشغول ہونا ہوتا ہے اس لیے ناشتے سے جلدی فارغ کر دیا جاتا ہے۔ قیدیوں کے کام کاج کی تفصیل پوچھنے پر بتایا کہ کئی قیدی کچن میں کھانا پکاتے ہیں۔ کئی لانڈری میں قیدیوں اور سٹاف کے کپڑے دھوتے ہیں۔ کچھ صفائی کرتے ہیں۔ جیل کا ایک ٹائر پلانٹ اور اپنی فلور مل بھی ہے وہاں پر بھی قیدی کام کرتے ہیں۔

جیل میں ایک کرافٹ شاپ بھی ہے جہاں قیدی مختلف ہنر سیکھتے ہیں۔ اس کرافٹ شاپ کا راقم نے بھی دوبار مشاہدہ کیا ہے۔ ایک بڑے ہال میں درجنوں کی تعداد میں چھوٹے چھوٹے کیبن بنے ہوئے ہیں۔ جن میں مختلف قسم کی مشینیں نصب ہیں۔ ہر قیدی اپنی کیبن میں مختلف اشیاء تیار کرنے میں مصروف ہوتا ہے۔ جن میں چمڑے یا ریکسین سے عورتوں کے پرس، مردوں کے بٹوے اور اسی قسم کی دوسری اشیاء تیار کرتے ہیں۔

لکڑی کی مختلف اشیاء بھی تیار ہوتی ہیں۔ قیدیوں کو ایک سسٹم کے تحت یہ اشیاء بیچنے کی بھی اجازت ہوتی ہے۔ میں نے بھی ایک مسلم قیدی کے بنائے ہوئے قرآن پاک کے لیے چمڑے کے کچھ Cover (غلاف) خریدے تھے۔

قیدیوں سے کھیتی باڑی کرانے کے سوال پر وارڈن نے مجھے ایک طبع شدہ ورق تھما دیا جس کے مطابق جیل کی ملکیتی کل اراضی 6770 ایکڑ ہے۔ جس پر مختلف اجناس کی کاشت کی جاتی ہے۔ سبزیاں بھی بوئی جاتی ہیں جو دوسرے جیلوں کو بلامعاوضہ مہیا کی جاتی ہیں۔ شہر سے آتے ہوئے جیل کی اراضی میں داخل ہوتے ہی سڑک کے دونوں جانب بغیر کسی ایک درخت کے بڑے بڑے کھیت نظر آنا شروع ہوجاتے ہیں۔ ہر کھیت کا رقبہ بلامبالغہ میل ڈیڑھ میل ہوگا۔ امریکہ میں کھیت اسی طرح بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ جیل کی اراضی پر درج ذیل جانور بھی پالے جارہے ہیں جن کی موجودہ تعداد اس طرح ہے:

گوشت حاصل کرنے کے لیے:

گائے: 538 عدد

سور/خنزیر: 800 عدد

مرغیاں: 1,30000 عدد

گھوڑے: 31 عدد

حفاظتی کتے: 35 عدد

اس جیل کے احاطے کے باہر چاردیواری یا حفاظتی باڑ کے بغیر ایک چھوٹا جیل ہے جسے ٹرسٹی کیمپ کہتے ہیں۔ جہاں پر معتمد علیہ قیدی رہتے ہیں جن کے بھاگنے کا خدشہ نہیں ہوتا یا پھر اسیری کے ایام ختم ہونے کے قریب والے قیدی رہتے ہیں۔ یہی قیدی زراعت کا کام کرتے ہیں۔ کھیتوں میں ٹریکٹر اور بڑی بڑی مشینیں آزادی سے چلاتے ہیں۔ جیل سے باہر والے دوسرے کام بھی اسی ٹرسٹی کیمپ کے قیدی کرتے ہیں۔ تاہم لباس ان کا بھی عام قیدیوں جیسا، یعنی سفید شرٹ اور پینٹ نما سفید پاجامہ ہی ہوتا ہے۔ قیدیوں کو کھیلنے کی بھی



اجازت دی جاتی ہے۔ البتہ کھیل سے واپس آنے پر ہر قیدی کی الف لیلہ ننگا کر کے تلاشی لی جاتی ہے۔ ہر قیدی دن میں ایک بار غسل کر سکتا ہے۔ اجتماعی غسل خانے امریکن سسٹم کی طرح بے پردہ ہوتے ہیں۔ جہاں مسلمان قیدیوں کو دقت پیش آتی ہے۔

میرے اس سوال پر کہ یہاں کالے قیدی کیوں زیادہ ہیں، وارڈن نے بتایا کہ یہ علاقائی کلچر پر منحصر ہے۔ ریاست ٹیکساس کے مغربی علاقے کے جیلوں میں آپ کو گورے قیدی اور جنوبی حصے میں سپینش قیدی زیادہ نظر آئیں گے۔ قیدیوں سے بامشقت کام لینے کے سوال پر وارڈن نے بتایا کہ ہر قیدی سے میڈیکل وجوہات کی بنا پر ہر کام نہیں لیا جاسکتا۔ مزید کہا کہ ہمیں مجرموں کے ساتھ انسانوں کی طرح سلوک کرنا چاہیے۔ جس طرح ہم میں سے ہر کوئی اپنے ساتھ اچھے سلوک کا متمنی ہوتا ہے۔ جرم تو ہم سب ہی کرتے ہیں۔

وارڈن نے بتایا کہ 2010ء سے اس جیل میں قیدیوں کی اعلیٰ تعلیم کے لیے بائبل کالج چل رہا ہے جس میں 114 قیدی زیرِ تعلیم ہیں۔ اپنی گفتگو کو مذہب کی طرف موڑتے ہوئے میں نے پوچھا کہ جیل میں کس کس مذہب سے تعلق رکھنے والے قیدی ہیں؟ اس نے بتایا کہ عیسائیوں کے علاوہ یہودی، مسلمان، ہندو اور دیگر مذاہب کے قیدی بھی ہیں۔ اور سب کو ان کے مذہب کی مکمل آزادی ہے۔ ہر مذہب والوں کے رضا کار قیدیوں کی مذہبی تعلیم میں راہنمائی کے لیے باہر سے آتے رہتے ہیں۔

اب میں نے ڈائریکٹ پوچھا کہ آپ اسلام کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟ جواب دیا کہ میں اسلام کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا البتہ مسلمانوں کے خلاف بالکل نہیں ہوں۔ ہر فرد کا حق ہے کہ وہ بولے اور اپنے BELIEF (عقیدہ) کو سپورٹ کرے۔ میں نے پوچھا کہ آپ میڈیا کے پروپیگنڈہ سے، جو وہ مسلمانوں کے خلاف ہر وقت کرتا رہتا ہے، متاثر نہیں ہوئے۔ سپرنٹنڈنٹ نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ اور مزید کہا کہ میں سینئر وارڈن ہونے کی حیثیت سے سب کی عزت کرتا ہوں۔ واضح رہے کہ اس جیل میں نصف کے لگ بھگ نائیجیریا کے لوگ بطور آفیسر کام کر رہے ہیں جن میں چند درجن مسلمان بھی ہیں۔ وارڈن کا اشارہ انھی کی طرف معلوم ہوتا تھا کہ میں سب کی عزت کرتا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ آپ محمد ﷺ کے بارے میں کچھ جانتے ہیں؟ اس کا جواب بھی وارڈن نے نفی میں دیا۔ میں نے پوچھا کہ محمد ﷺ کے خلاف کبھی کچھ سنا ہے؟ کہنے لگا:May Be، یعنی شاید سنا ہوگا۔ ایسے جواب سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان سوالوں کے جواب کھل کر نہیں دینا چاہتا۔ لہٰذا میں نے بھی اصرار نہیں کیا۔

آخری سوال میں نے یہ کیا کہ آپ کا مذہب کیا ہے؟ جواب دیا کہ میں بپٹیسٹ Baptist ہوں۔ واضح رہے کہ عیسائیوں کے بھی ہماری طرح بڑے بڑے فرقے ہیں۔ جس طرح ہم یہ جواب نہیں دیتے کہ میں مسلمان ہوں۔ بلکہ ہمارا جواب ہوتا ہے کہ میں حنفی، بریلوی، دیوبندی، اہلحدیث، شیعہ، سنی وغیرہ ہوں اسی طرح عیسائی بھی یہ نہیں کہتے کہ میں عیسائی ہوں بلکہ کہیں گے میں بپٹسٹ، کیتھولک، پروٹسٹ، میتھوڈِسٹ، آرتھوڈاکس، جہاداوِٹنس وغیرہ وغیرہ ہوں۔ ہمارے بارے میں نبی اکرم ﷺ کی پیشین گوئی کتنی سچی ہے کہ تم مسلمان اہلِ کتاب کی ہر لحاظ سے پیروی کرو گے حتی کہ کوئی ان میں سے اگر گوہ کے سوراخ میں گھسے گا تو تم بھی اس میں گھس جاؤ گے۔(صحیح البخاري:7320)(ہزاروں درود و سلام ہوں ہمارے نبی برحق پر)۔

اس سپرنٹنڈنٹ جیل کے متعلق ایک بات جو میں نے نوٹ کی وہ یہ ہے کہ جیل میں کبھی اسے افسرانہ وردی میں نہیں دیکھا۔ اور دوسرے عملے کے ساتھ ایسے گھل مل کر بے تکلفانہ پھرتا ہے کہ نیا آدمی جان نہیں سکتا کہ یہ سپرنٹنڈنٹ جیل ہے۔ اس کے کمرے کے باہر کوئی چپڑاسی نہیں ہوتا۔ بلکہ یہی حال امریکہ کے سب دفاتر اور اونچی پوسٹ والوں کا ہے۔

ہسپتالوں میں تو ہم نے خود مشاہدہ کیا ہے کہ مریض کی باری آنے پر ڈاکٹر بذاتِ خود دروازے پر آ کر مریض کو آواز دیتا ہے پھر اپنے ساتھ اندر لے جاتا ہے۔ ان باتوں کو دیکھ کر پاکستان کا چپڑاسی سسٹم اور دو ٹکے کے افسروں کی پھوں پھاں یاد آ جاتی ہے اور ذہن میں سوال اٹھتا ہے کہ خود تو صاحب کا یہ حال ہے مگر ہمارے ملک کو وراثت میں کیا تحفہ دے گیا ہے۔ واللہ المستعان

